مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول (مولانا) مشرف علی تھانوی

مدیر ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۱۸ | شعبان/رمضان ۱۴۳۸ھ | مئی/جون ۲۰۱۷ء | شمارہ ۵-۶

استمرار التوبة

توبہ کا تسلسل

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۴۰ روپے زر سالانہ =/۲۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) مشرف علی تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ اے ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور
۳۵۴۲۲۲۱۳
۳۵۴۳۳۰۴۹
پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

استمرار التوبة
توبہ کا تسلسل

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱.....	وجہ بیان وعظ	۱۰
۲.....	حدیث قدسی	۱۲
۳.....	احکام میں پوشیدہ اسرار کی مثال	۱۲
۴.....	تکبر کی بڑائی	۱۳
۵.....	اسرار الٰہی میں گفتگو کی ممانعت	۱۴
۶.....	اسرار الٰہی سے واقفیت کا طریقہ	۱۴
۷.....	حقیقت الہام	۱۵
۸.....	حکیم الامت کا مسکت جواب	۱۵
۹.....	اللہ اور رسول ﷺ کے مابین راز	۱۶
۱۰.....	احکام کی حکمتیں بیان نہ کرنے کی وجہ	۱۸
۱۱.....	شیخ اکبر کی نصیحت	۱۸
۱۲.....	جاہلانہ استدلال	۱۹
۱۳.....	صوفیاء کے اقوال	۲۰
۱۴.....	تجلی روح کی حقیقت	۲۱

۱۵.....	تجلی حق اور تجلی روح میں فرق.....	۲۲
۱۶.....	تجلیات کے بارے میں حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق..	۲۲
۱۷.....	حاجی صاحب کا اتباع سنت.....	۲۳
۱۸.....	معانی قرآن.....	۲۴
۱۹.....	شیطان کا جرم.....	۲۵
۲۰.....	احکام میں حکمتیں تلاش کرنے کا نقصان.....	۲۶
۲۱.....	مولانا یعقوب صاحب کا جواب.....	۲۷
۲۲.....	حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی فراست.....	۲۸
۲۳.....	منشاء کی تبدیلی حکم کی تبدیلی کا باعث ہے.....	۲۹
۲۴.....	مثنوی کے شعر کا مطلب.....	۳۰
۲۵.....	اسرار احکام کی جستجو نہ کرے.....	۳۲
۲۶.....	روشن دماغ.....	۳۲
۲۷.....	ہمدردان قوم کی ناسمجھی.....	۳۳
۲۸.....	شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کا توکل.....	۳۳
۲۹.....	مطلوبہ اقتدار.....	۳۴
۳۰.....	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت.....	۳۵
۳۱.....	مال کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل.....	۳۶

۳۲..... جمع مال کی حد جواز ۳۶
۳۳..... تقسیم میراث کا فائدہ ۳۷
۳۴..... چند لطائف ۳۸
۳۵..... باطل استدلال ۴۰
۳۶..... اہل تشیع کے حافظ نہ ہونے کی وجہ ۴۱
۳۷..... حفظ قرآن کی برکت ۴۲
۳۸..... بڑائی وہ ہے جس کی دشمن گواہی دیں ۴۳
۳۹..... تقسیم میراث کی حکمت ۴۴
۴۰..... طالب اسرار کے لئے جواب ۴۵
۴۱..... مصلحانہ جواب ۴۵
۴۲..... مولانا غوث علی صاحب کا حکیمانہ جواب ۴۶
۴۳..... مدعی الوہیت کو جواب لاجواب ۴۷
۴۴..... علماء کو نصیحت ۴۸
۴۵..... درس نظامی کی خوبی ۵۰
۴۶..... تجدید علم کلام ۵۰
۴۷..... تمہید اور مقصود میں فرق ۵۱
۴۸..... عوام کی حالت ۵۲

۴۹..... اتقیاء کی غلطی ۵۳
۵۰..... تعبیر خواب ۵۴
۵۱..... اتقیاء کا حال ۵۵
۵۲..... اتقیاء پر غلبہ حیاء ۵۶
۵۳..... غلبہ حیاء کا علاج ۵۶
۵۴..... مغلوب الحیاء کی مثال ۵۷
۵۵..... زہر سے علاج ۵۸
۵۶..... حاجی صاحب کا بلند مقام ۵۹
۵۷..... سالکین کو پریشانی ۶۰
۵۸..... حاجی صاحب کی تحقیق ۶۱
۵۹..... طریقہ علاج ۶۲
۶۰..... اصطلاحات صوفیاء ۶۳
۶۱..... علماء ظاہر کو نصیحت ۶۳
۶۲..... غیور صوفیاء ۶۴
۶۳..... بے باک صوفیاء ۶۴
۶۴..... بعض صوفیاء کا حال ۶۵
۶۵..... اپنے کام میں لگو ۶۶

۶۶..... رونے کی اقسام..... ۶۷

۶۷..... جوشِ عشق کا رونا..... ۶۸

۶۸..... حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا رجوع الی اللہ..... ۶۹

۶۹..... احضار اور حضور کے معنی میں فرق..... ۷۰

۷۰..... سالک کا کام..... ۷۱

۷۱..... حصولِ ثمرات کا مقام..... ۷۲

۷۲..... سلب کیفیات کی وجہ..... ۷۲

۷۳..... استغفار کا اہتمام..... ۷۳

۷۴..... اشکال کا جواب..... ۷۴

۷۵..... اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو..... ۷۶

۷۶..... ازالہ شبہ..... ۷۷

۷۷..... سبقت رحمتی کا مظہر..... ۷۸

وعظ

استمرار التوبة

توبہ کا تسلسل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے وعظ ''استمرار التوبہ'' ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ بعد نماز جمعہ مسجد خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں کرسی پر تشریف فرما ہو کر دو گھنٹہ پینتالیس منٹ ارشاد فرمایا۔

بعض مہمانوں کے تقاضہ باطنی کی بنا پر حضرت نے یہ وعظ ارشاد فرمایا مضمون تھا کہ حق تعالیٰ کی دو شانیں ہیں ایک اہل التقویٰ۔ دوسری اہل المغفرۃ۔ پہلی جلالی دوسری جمالی۔ خواص یعنی صلحاء دونوں پر نظر رکھتے ہیں اور عوام اکثر صفت دوم پر اور اخص الخواص یعنی اتقیاء کاملین صرف پہلی پر۔ اس بیان میں زیادہ تر انہی کی غلطی کو بیان کرنا مقصود ہے۔ حاضرین کی تعداد تقریباً ۵۰ افراد پر مشتمل تھی یہ وعظ خصوصا سالکین کے لئے بہت مفید ہے اس مضمون پر یہ بالکل جدید بیان ہے شیخ المحدثین علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے قلم بند فرمایا۔ بعض مضامین اس میں مشکل ہیں عوام کو جتنا سمجھ میں آئے اسی سے مستفید ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو استفادہ اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۱۱/۲/۲۰۱۷ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴾(۱)

وجہ بیان وعظ

جس جملہ کی میں نے تلاوت کی ہے یہ ایک سورت کا خاتمہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی دو شانیں بیان فرمائی ہیں اور اُن کا عقیدہ تو سب کو حاصل ہے کوئی اس میں کلام نہیں کرتا نہ ایسی مخفی بات ہے(۲) جس پر لوگوں کو اطلاع نہ ہو مگر اس وقت میرا مقصود بیان سے یہ ہے کہ اطلاع کی جو غایت ہے اس میں کوتاہی دیکھی جاتی ہے اس کوتاہی پر متنبہ کرنا مقصود ہے اور آج کے بیان کی وجہ ظاہر میں کوئی خاص داعی نہیں ہے یعنی کسی نے مجھ سے درخواست نہیں کی اور مجھے اس کا کبھی انتظار بھی نہیں ہوتا میں نے تو یہاں بہت بیانات از خود بھی ضرورت کو دیکھ کر کئے ہیں اتنا فرق ضرور ہے کہ پہلے ایسا اتفاق کثرت سے ہوتا تھا اب کم ہوتا ہے لیکن

(۱) ''وہی ہے جس کے عذاب سے ڈرنا چاہیئے اور وہی ہے جو بندوں کے گناہ معاف کرتا ہے'' (۲) پوشیدہ بات۔

میں نے از خود بھی بہت بیان کئے ہیں اور کبھی کسی کی درخواست کا منتظر نہیں ہوں، چنانچہ اس وقت کا بیان بھی ایسا ہی ہے کہ ظاہر میں کسی کی درخواست اس کا سبب

نہیں مگر قلب سے باطنی داعی موجود تھا یعنی بعض احباب کو باطناً تقاضا(۱) تھا کہ بیان ہو، جو مجھ کو قرائن سے معلوم ہوگیا مگر کسی وجہ سے وہ زبان سے اس تقاضا وشوق کو ظاہر نہ کرسکے لیکن جب وہ میرے پاس یہ تقاضا دل میں لیکر آئے تو گو زبان سے ظاہر نہیں کیا مگر مجھ پر اس کا اثر ہوا اور مجھ پر واقعی اس باطنی تقاضا کا اثر زیادہ ہوتا ہے کہ زبان سے تو کچھ نہ کہے اور دل میں تقاضا ہو مجھے شب وروز مولانا کے اس قول کا مشاہدہ ہوتا ہے ؎

گرچہ تفسیر زباں روشن گراست　　لیک عشقِ بے زباں روشن تراست (۲)

بوئے آں دلبر چو پراں می شود　　ایں زبانہا جملہ حیراں می شود (۳)

ان کے باطنی تقاضا کو دیکھ کر میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ اگر کوئی مضمون بے ساختہ قلب میں آگیا تو بیان کردوں گا اور اس ارادہ کو احباب سے ظاہر بھی کردیا تھا اس کے بعد میں قرآن شریف پڑھتا رہا مگر دیر تک کوئی مضمون ذہن میں نہ آیا پھر میں جنگل کی طرف چلا گیا اور قرآن کی تلاوت میں مشغول رہا وہاں اس آیت کے متعلق ایک ضروری مضمون بے ساختہ وارد ہوا(۴) اور مجھے تجربہ ہوا ہے کہ ایسے مضامین کا دورہ جنگل میں زیادہ ہوتا ہے شہر میں کم ہوتا ہے شائد اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں قلب کو فراغ زیادہ ہوتا ہے یا یہ کہ وہاں معاصی کا صدور کم ہوتا ہے چونکہ جنگل کی زمین بستی کی زمین سے زیادہ پاک ہے اس لئے وہاں قلب پر علوم کا ورود زیادہ ہوتا ہے۔

(۱) بعض لوگوں کے دل میں یہ بات تھی (۲) ''اگرچہ بیان زبانی اکثر اشیاء کی حقیقت کو زیادہ منکشف وظاہر کرتا ہے اس بناء پر عشق کا حال بھی زبان سے زیادہ معلوم ہونا چاہیئے لیکن واقع میں بے زباں کا عشق زیادہ روشن ہے کیونکہ وہ ذوقی امر ہے'' (۳) ''اُس محبوب کی خوشبو جب اڑنے والی ہوتی ہے تو یہ تمام زبانیں حیران ہوجاتی ہیں'' (۴) اچانک دل میں آیا۔

حدیث قدسی

اب میں مقصود کا بیان شروع کرتا ہوں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی دوشانیں بیان فرمائیں ہیں ایک ''اہل التقویٰ'' دوسری '' اہل المغفرۃ'' ان میں سے ایک کو جلالی اور ایک کو جمالی کہا جائے تو بجا ہے۔ اب ان دونوں کی تفسیر سنیئے اور کیا اچھا ہو کہ خود متکلم ہی کے بیان سے تفسیر کردی جائے۔ چنانچہ ایک حدیث قدسی میں خود حق تعالیٰ نے اس کی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ حدیث قدسی وہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ سے صراحۃً روایۃً فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے گو وہ وحی متلو نہیں ہے (۱) مگر وحی ضرور ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وحی غیر متلو کے الفاظ منزل (۲) نہ ہوں بلکہ ممکن ہے کہ الفاظ بھی منزل من اللہ ہوں (۳) اب رہا یہ سوال کہ جب الفاظ منزل من اللہ ہیں تو وہ متلو کیوں نہیں اور اُن میں اعجاز بھی ہے (۴) یا نہیں تو اس میں گفتگو کی ہمیں ضرورت نہیں ممکن ہے کہ ان میں بھی صفت اعجاز موجود ہو اور پھر بھی وہ وحی متلو کی طرح تلاوت میں داخل نہ کی گئی ہوں۔

احکام میں پوشیدہ اسرار کی مثال

اور اس کے وجوہ واسباب میں گفتگو کرنے سے ہمارے اکابر نے ہم کو منع فرمایا ہے اور وہ ایسے اکابر تھے جو اہل اسرار بھی تھے (اَلنَّاسُ اَعْدَاءٌ مَّا جَهِلُوْا) ''لوگ جس چیز سے ناواقف ہیں اس کے دشمن ہیں'' کا مصداق نہ تھے اس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات پر جو اسرار منکشف ہوئے ہیں وہ بے ساختہ ہوئے ہیں جو اسرار خود بخود منکشف ہوگئے (۵) وہ انہوں نے بیان فرمادیئے اور جو منکشف نہ

(۱) اگرچہ وہ ایسی وحی نہیں ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے (۲) نازل شدہ الفاظ نہ ہوں (۳) الفاظ بھی اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہوں (۴) قرآن کی طرح ان کی مثال لانے سے بھی آدمی عاجز ہے یا نہیں (۵) جو حکمتیں خود بخود معلوم ہوجائیں۔

ہوئے اُن کے وہ درپے نہ تھے (۱) بلکہ اسرار کے درپے ہونے سے منع فرماتے

تھے۔ اسرار کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کا محل سرائے اور زنانخانہ اور خاص خزانہ ہوتا ہے بادشاہ اگر کسی کو خود اپنے محل سرائے اور زنانخانہ کی سیر کرادے تو اس کی عنایت ورحمت ہے خود کسی کو اس درخواست کا حق نہیں ہے کہ حضور مجھے اپنے زنانخانہ یا خزانہ پر مطلع فرمادیجئے اور اگر کوئی ایسی درخواست کرے گا تو وہ شاہی عتاب میں گرفتار ہوگا اور اس پر دوسرے جرائم کی نسبت عتاب زیادہ ہوگا کیونکہ اور جرائم کا منشا کبر نہیں بلکہ شہوت ہے اور اس جرم کا منشا کبر ہے۔

تکبر کی بڑائی

اور کبر سے بدتر کوئی جرم نہیں کیونکہ متکبر ایسی صفت کا مدعی ہے جو سلطان کے ساتھ خاص ہے یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ کبریا کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں: (اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظْمَۃُ اِذَا رِیْ فَمَنْ نَازِعَنِیْھَا قَصَمْتُہ) کبریائی میری چادر اور عظمت میری ازار ہے یعنی میری صفات مخصوصہ سے ہیں تو جو شخص ان میں مجھ سے منازعت کرے گا یعنی شرکت کا قصد کریگا میں اُس کی گردن توڑ دوں گا، ایسی وعید کسی اور جرم کی نسبت وارد نہیں ہے اور طلب اسرار کا منشا کبر اس لئے ہے کہ یہ شخص اپنی شان ایسی سمجھتا ہے کہ اپنے کو اسرار سلطنت ومخفیات (۲) سلطانیہ پر مطلع ہونے کا اہل سمجھتا ہے اور یہ شرکت سلطنت کا دعویٰ ہے اور اس سے بڑھ کر سلاطین کے یہاں کوئی جرم نہیں خصوصاً اگر وہ اسرار محل غیرت بھی ہوں تو اُن پر مطلع ہونے کی طلب ودرخواست سلطان کو اور بھی زیادہ ناگوار ہوتی ہے اس لئے طلب اسرار کے درپے ہرگز نہ ہو۔

(۱) ان کے بیان کی ضرورت نہ سمجھی (۲) سلطنت کے پوشیدہ رازوں سے آگاہ ہونے کا اہل سمجھتا ہے۔

اسرار الٰہی میں گفتگو کی ممانعت

اگر اسرار کا مخفی ہونا حکمت نہ ہوتا تو حق تعالیٰ کو بخل نہ تھا حضور ﷺ کے ذریعہ سے بے دریغ سب کو ظاہر فرما دیتے اب جو مخفی رکھے گئے ہیں تو اُن میں خفا ہی حکمت (۱) ہے اور اُن میں سے کسی پر کسی کو مطلع فرما دیں تو اُن میں بھی حکمت ہے اور اگر کسی کو بھی نہ بتلائیں تو بھی حکمت ہے، اور کسی کو بتلائیں کسی کو نہ بتلائیں تو یہ بھی حکمت ہے پس جس کو اسرار پر مطلع نہیں کیا گیا وہ ان کے درپے نہ ہو اسی کو حضرت عارف فرماتے ہیں ۔

حدیث مطرب و مے گو و رازِ دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت ایں معمار (۲)

انہوں نے تو اسرار دہر میں بھی گفتگو سے منع فرمایا ہے پھر اسرار الوہیت و اسرارِ احکام تو اس سے بدرجہا اعلیٰ ہیں اُن کی طلب اور اُن میں گفتگو تو بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگی۔ چنانچہ ایک بزرگ سے کسی نے معراج کے اسرار سے سوال کیا کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حق تعالیٰ نے کیا کیا باتیں کیں انہوں نے بیساختہ جواب دیا ۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد (۳)

اسرارِ الٰہی سے واقفیت کا طریقہ

پھر اگر کسی کو اسرار کی طلب ہی ہو تو اس کا طریق بھی ترک طلب ہی ہے کیونکہ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ جو لوگ اسرار کے درپے ہوتے ہیں اُن کو نہیں بتلائے

(۱) ان کا پوشیدہ ہونا ہی خیر ہے (۲) ''احکامات بیان کرو اور ان کی حکمتیں نہ تلاش کرو کیونکہ ان کی حکمتوں کے معموں کو کوئی حل نہیں کر سکا'' (۳) ''اب کس کا حوصلہ وہمت ہے کہ باغبان سے یہ پوچھے کہ بلبل نے کیا کہا اور پھول نے کیا سنا اور صبا نے کیا کیا''۔

جاتے اور جو درپے (۱) نہ ہو اس کو بتلا دیئے جاتے ہیں پس معلوم ہوا کہ جن حضرات پر اسرار کا انکشاف ہوا ہے وہ وہی تھے جن کو اسرار کی طلب نہ تھی نہ ان کے درپے

تھے اور جو ان کے درپے ہوتے ہیں اُن کو کچھ بھی انکشاف نہیں ہوتا۔

حقیقت الہام

پھر یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ واسطہ انکشاف ہمارے پاس کیسا ہے یعنی وہ عینک کیسی ہے جس سے ہم کو اسرار کا انکشاف ہوتا ہے تو سمجھئے کہ ایک عینک تو وحی ہے اس میں تو کچھ شک وشبہ نہیں ہوتا وہ سچی عینک ہے جس میں کبھی خطاء نہیں ہوتی اور غیر انبیاء کو جو عینک ملی ہے اُس میں قطع نہیں ہے (۲) بلکہ شک رہ جاتا ہے کہ حقیقت صحیحہ کا انکشاف ہوا یا خلط ہوگیا اس کی ایسی مثال ہے کہ بعض عینکیں تو ایسی ہوتی ہیں جن سے اشیاء اپنے حال پر صاف طور سے نظر آتی ہیں اور بعض عینکیں ایسی ہیں جن سے چھوٹی چیز بڑی اور سفید چیز رنگین نظر آتی ہے۔ اس حالت میں ہم کو اپنے انکشاف پر اطمینان واعتماد نہ کرنا چاہیئے گو بعض کا قول ہے کہ الہام بھی قطعی ہے مگر ان حضرات نے اپنے اقناع کو یقین سے تعبیر کردیا ہے ورنہ عقیدہ اُن کا بھی وہی ہے جو جمہور اُمت نے کہا ہے کہ الہام قطعی نہیں ہے پھر اس حالت میں اسرار کے درپے ہونا فضول ہے (۳) کہ اول تو درپے ہونے سے وہ حاصل ہی نہیں ہوتے اور حاصل ہو بھی گئے تو ظن واحتمال سے متلبس (۴) ہوکر حاصل ہوں گے۔

حکیم الامت کا مسکت جواب

اس لئے سوال اسرار سے میرا جی (۵) کبھی خوش نہیں ہوتا مثلاً یہ سوال کہ حدیث وقرآن میں یہ حکم کس لئے فرمایا گیا اس میں کیا حکمت ہے کیا بھید ہے؟ میں

(۱) جو اس کی جستجو نہ کرے (۲) وہ یقینی بات نہیں ہے (۳) حکمتوں کی جستجو میں پڑنا بیکار ہے (۴) گمان اور احتمال کی آمیزش ہوگی (۵) دل۔

اس قسم کے سوال کرنے والوں کو جواب بھی ایسا ہی دیتا ہوں جس سے اُن کو اپنی غلطی پر تنبیہ ہوجائے اب بعض تو سمجھ جاتے ہیں اور بعض الٹا مجھ ہی کو بدنام کرتے

ہیں مگر میں اُس بدنامی سے خوش ہوں جو نافہم کی طرف سے ہو۔ قال الشاعر

واذا اتتك مذمتی من ناقص　　فهی الشهادة لی بانی کامل (۱)

چنانچہ ایک صاحب نے کسی خاص مسئلہ کی نسبت پوچھا کہ اس حکم میں کیا حکمت ہے۔ میں نے کہا پہلے آپ یہ بتلائیے کہ آپ کے سوال عن الحکمت میں کیا حکمت ہے؟(۲) اس پر وہ خاموش ہوگئے لیکن میں سمجھ رہا تھا کہ اگر یہ کچھ حکمت بیان کریں گے تو میں اسپر اعتراض کر کے آخیر میں ان کو عاجز کردوں گا گو وہ اپنا عجز تسلیم نہ کرتے مگر طلبہ اور اہل فہم اُن کا عجز سمجھ جاتے۔

اللہ اور رسول ﷺ کے مابین راز

صاحبو! حق تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے خطاب میں بھی بعض امور ایسے بیان فرمائے ہیں جن کی حقیقت پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو مطلع نہیں کیا گیا اور حضرات صحابہ ایسے مؤدب ومہذب تھے کہ انہوں نے کبھی ان کی حقیقت سے سوال نہیں کیا چنانچہ اوائل سور میں حروف مقطعات (۳) ایسے ہی ہیں اور اس کے علاوہ بہت سی آیات متشابہات ہیں جن کی حقیقت میں صحابہ نے بالکل کلام نہیں کیا نہ حضور ﷺ سے سوال کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ اللہ اور رسول ﷺ کے درمیان اسرار ہیں ان کا تعلق ہماری ذات سے نہیں ہے اگر ہم سے تعلق ہوتا تو حق تعالیٰ ضرور ان کو واضح فرمادیتے اور ایسے اسرار ہر بادشاہ کے یہاں ہوتے ہیں جن کو عوام سے بلکہ بعض

(۱) ''اور جب میری مذمت تمہارے پاس کسی نافہم سے آئے تو سمجھ لو کہ یہ میرے لئے کامل ہونے کی شہادت ہے'' (۲) اس حکمت کے دریافت کرنے میں کیا حکمت ومصلحت ہے (۳) سورتوں کے شروع میں جیسے الٓمٓ۔ حٰمٓ وغیرہ۔

خواص سے بھی مخفی رکھا جاتا ہے چنانچہ کانپور میں جلالین کا درس میرے پاس ہورہا تھا اور ایک کورٹ انسپکٹر بھی اُس وقت میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے میں نے الٓمٓ

کے متعلق یہی بیان کیا کہ غالباً حضور ﷺ کو اُن کی مراد پر اطلاع تھی مگر صحابہ کو اطلاع نہ تھی اور سلاطین کا قاعدہ ہے کہ بعض اسرار کو وہ وزیر ہی تک محدود رکھتے ہیں عام رعایا کو ان پر مطلع نہیں کرتے اسی طرح یہ بھی اللہ ورسول ﷺ کے درمیان اسرار ہیں اس تقریر کو سنکر وہ کورٹ انسپکٹر کہنے لگے کہ واقعی یہ بالکل صحیح ہے میں نے کہا کہ آپ تو اس کی ایسی تصدیق کررہے ہیں جیسے آپ کو اس کا مشاہدہ ہورہا ہو آپ نے اس قوت کے ساتھ کیونکر اس کی تصدیق کی۔ کہنے لگے کہ میں ابھی اناؤ(۱) سے آرہا ہوں ایک ضرورت کی وجہ سے میں کلکٹر سے ملنے گیا تو اُن کی میز پر ایک کتاب رکھی ہوئی تھی میں اس کو اُٹھا کر دیکھنے لگا کلکٹر نے مجھے اس کے دیکھنے سے منع کیا اور کہا اس کو بند کرکے رکھدیجئے یہ آپ کے دیکھنے کی چیز نہیں میں نے وجہ پوچھی تو کہا کہ اس میں محکمہ سی آئی ڈی کی اصطلاحات ہیں اور اس کا محکمہ آپ کے محکمہ سے الگ ہے آپ اس کو نہ دیکھیں تو معلوم ہوا کہ سلاطین کے بعض اسرار ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر سب عہدہ داروں کو مطلع نہیں کیا جاتا بلکہ ہر محکمہ کے جدا احکام اور اسرار ہیں ایک محکمہ والے کو دوسرے محکمہ کے اسرار معلوم کرنے کا حق نہیں تو دیکھئے اُس شخص پر چونکہ یہ حالت گذر چکی تھی اس لئے اُس نے میری تقریر کو سن کر سب سے پہلے تصدیق کی اور اس طرح تائید کی جیسے اس کو حقیقت کا مشاہدہ ہورہا ہے پس جن اسرار پر اطلاع سے ہم کو روک دیا جائے اُن کو اپنے حق میں منہی عنہ(۲) سمجھنا چاہیئے اور انکے درپے نہ ہونا چاہیئے۔

(۱) جگہ کا نام ہے (۲) یہ سمجھنا چاہئے کہ ہمارے لئے اس کا مطلب معلوم کرنا منع ہے۔

احکام کی حکمتیں بیان نہ کرنے کی وجہ

اور اس میں راز یہ ہے کہ اسرار میں غموض زیادہ(۱) ہوتا ہے اگر اُن کو بیان

بھی کر دیا جائے تو سب لوگ اُن کو سمجھ نہیں سکتے۔ پھر حقیقت تک تو بیان کے بعد بھی نہ پہنچیں گے بس یہ ہوگا غیر حقیقت کو حقیقت سمجھ کر دھوکے میں پڑ جائیں گے اسی لئے صوفیہ نے اہل ظاہر کو مخاطب کر کے فرمایا ہے: اَنْتُمْ تُخَافُوْنَ الْمَعَاصِیْ وَنَحْنُ نُخَافُ الْکُفْرَ کہ تم کو تو صرف گناہ ہی کا خطرہ رہتا ہے اور ہم کو قدم قدم پر کفر کا خطرہ رہتا ہے کیونکہ اُن کے سامنے جن اسرار کا انکشاف ہو رہا ہے (۲) وہ نہایت عالی ہیں ان میں اگر کبھی دھوکا پڑ گیا تو کفر تک نوبت پہنچے گی۔

شیخ اکبر کی نصیحت

چنانچہ شیخ یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے صاحب کشف واسرار کا قول نقل فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایک مرتبہ حقیقت روح کا انکشاف ہوا (تجلی ہوئی) تو میں نے اس کو غلطی سے تجلی حق سمجھ لیا پھر تیس برس تک روح ہی کی عبادت کرتا رہا اور دھوکہ اس لئے ہوا کہ روح کی تجلی کو تجلیٔ حق سے مشابہت بہت زیادہ ہے کیونکہ صوفیہ کے نزدیک روح مجرد ہے گو متکلمین اس کے منکر ہیں مگر صوفیہ نے اس مسئلہ میں اپنے کشف سے فلاسفہ کے قول کو صرف تجرد کے دعویٰ میں صحیح سمجھا ہے مگر مَعَ اِعْتِقَادِ الْحُدُوْثِ الزَّمَانِیْ (حدوث زمانی کا اعتقاد کرنے کے باوجود) تو وہ بھی تجرد کے قائل ہو گئے اسی لئے شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ فلاسفہ کے تمام اقوال کو رد نہ کرو کیونکہ ان کے بعض اقوال صحیح بھی ہیں یہ فلاسفہ کی حمایت نہیں بلکہ ہم کو تنبیہ ہے کہ تم پارٹی نہ بناؤ کہ مخالف جو بات بھی کہے اُس کی تردید ہی کرو بلکہ اس میں غور کرو کیونکہ

(۱) پوشیدگی اور دقت زیدہ ہوتی ہے (۲) جو اسرار کھل رہے ہیں۔

اَلْکَذُوْبُ قَدْ یَصْدُقُ کبھی جھوٹا آدمی بھی سچ بات کہہ دیتا ہے اسی طرح اَلْمُبْطِلُ قَدْ یَقُوْلُ الْحَقَّ کہ مبطل بھی کبھی حق بات کہہ دیتا ہے پس مخالف کی بات کو یہ سمجھ کر

فوراً رد نہ کرو کہ یہ تو ہمارا مخالف ہے بلکہ غور کر کے سمجھ سے کام لو اگر اُس کی بات رد کے قابل ہو رد کرو اگر قابل تسلیم ہو مان لو۔

جاہلانہ استدلال

ورنہ وہ مثال ہوگی ایک طالب علم نے اپنے حقیقی بھائی کو ماں کی گالی دی تھی لوگوں نے کہا ارے کمبخت وہ تیری بھی تو ماں ہے کہنے لگا کہ اس میں دو حیثیتیں ہیں اس حیثیت سے کہ وہ میری ماں ہے معظّمہ مکرمہ ہے اور اس حیثیت سے کہ اس کی ماں ہے وہ ایسی ہے اور تیسی ہے تو کیا تم بھی حق بات میں دو حیثیتیں نکالو گے کہ اس حیثیت سے کہ وہ مخالف کی زبان سے نکلی ہے غلط ہے اور دوسری حیثیت سے صحیح ہے جیسا کہ آجکل ''بہشتی زیور'' کے مسائل پر اعتراضات کی بنا اسی فرق اعتباری پر ہے حالانکہ اُس میں جس قدر مسائل ہیں وہ سب درمختار وشامی وعالمگیری(۱) وغیرہ سے ماخوذ ہیں مگر اس حیثیت سے کہ وہ مسائل شامی وغیرہ میں ہیں صحیح ہیں اور اسی حیثیت سے کہ ''بہشتی زیور'' میں لکھے ہوئے ہیں محل اعتراض ہیں بھلا اس جہالت وعناد کی بھی کچھ حد ہے۔ بعض نادانوں کو اس پر یہ بھی اعتراض ہے کہ اس میں شرمناک مسائل ہیں اس کا بھی وہی جواب ہے کہ یہ اعتراض تو شامی اور عالمگیری وغیرہ پر بھی ہے کیونکہ انہیں سے یہ مسائل لیئے گئے ہیں یہ کیا کہ عربی میں گالی دیں تو گالی نہ ہو اور اردو میں گالی ہوجائے۔ گو یہ اعتراض محض جہالت کا اعتراض تھا مگر اب طبع جدید میں اس کا بھی اہتمام کر دیا گیا ہے کہ ایسے مسائل کو انتخاب کر کے علیحدہ لکھ دیا گیا اور اُس پر جلی قلم سے سرخی لکھدی گئی کہ ان

(۱) فقہ حنفی کی مشہور ومعروف کتب ہیں۔

مسائل کو کس طرح پڑھانا چاہیئے غرض یہ ضروری نہیں کہ مخالف کی ہر بات ہی غلط ہو۔

صوفیاء کے اقوال

اس لئے صوفیہ نے مسئلہ تجرد روح میں فلاسفہ کے قول سے موافقت کر لی کیونکہ کشف سے اُن کو اس قول کی صحت واضح ہوگئی ہے کہ روح مجرد ہے (۱) اور تجرد کا انکار متکلمین نے اس بنا پر کیا ہے کہ اس کو اخص صفات (۲) باری تعالیٰ سمجھا ہے، تجرد اخص صفات حق نہیں ہے بلکہ اخص صفات وجوب وقدم ہیں (۳) اور صوفیہ کے نزدیک ارواح باوجود تجرد کے حادثات بالذات وبالزمان ہیں (۴) اس جگہ وہ فلاسفہ سے مخالف ہوگئے کیونکہ فلاسفہ ارواح کو مجرد مان کر قدیم بھی کہتے ہیں صوفیہ ان کو قدیم نہیں کہتے نیز روح کے علاوہ انسان میں چند اور چیزیں بھی ہیں جن کو صوفیہ نے مجرد مانا ہے اور وہ لطائف خمسہ ہیں جو ان حضرات کے نزدیک غیر مادی ہیں اور انسان کے اندر موجود ہیں اور نفس کو جو لطائف میں شمار کیا ہے اور لطائف ستہ سے ملقب کیا ہے یہ تغلیباً ہے جیسے بھنگی بھی مدرسہ والوں کے ساتھ مٹھائی کے حصہ میں شریک ہوجاتا ہے ورنہ نفس مجرد نہیں بلکہ مادی ہے بقیہ لطائف کے تجرد پر صوفیہ کا اتفاق ہے یعنی جب سے اس مسئلہ لطائف کا ظہور ہوا ہے اس وقت سے سب کا اتفاق ہے۔ یہ اس واسطے کہہ دیا گیا کہ صوفیہ متقدمین کے کلام میں لطائف کا ذکر غالباً نہ ملے گا کیونکہ اس کی تحقیق متاخرین کو ہوتی ہے اور یہ جو میں نے اوپر کہا ہے کہ فلاسفہ کی ہر بات یعنی قبل ردغور کرو سو یہ حکم خواص کے لئے ہے عوام کے لئے نہیں ہے عوام کو ان اقوال میں غور کرنے کی اجازت نہیں بلکہ ان کو توقف کرنا

(۱) مادہ سے پاک (۲) اللہ کی خاص الخاص صفت (۳) اللہ کی خاص صفت واجب الوجود اور قدیم ہونا ہے (۴) زماناً اور ذاتاً حادث ہیں۔

چاہیئے نہ رد کریں نہ غور کریں نہ تسلیم کریں بلکہ علماء سے پوچھ کر اعتقاد رکھیں۔

تجلی روح کی حقیقت

بہرحال چونکہ روح مجرد ہے تو اس کو اور اشیاء کی نسبت سے ذات حق کے ساتھ مناسبت وقرب زیادہ ہے اسی لئے جب روح کی تجلی ہوتی ہے تو اُسی شان سے ہوتی ہے جس شان سے حق تعالیٰ کی تجلی ہوتی ہے کہ تمام عالم اُس کے سامنے سربسجود نظر آتا ہے (۱) مگر یہ سجدہ عبادت کا سجدہ نہیں ہوتا بلکہ یہ صورت مثالیہ ہے اُس تسخیر کی جس کو قرآن میں حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: ﴿اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاھِرَۃً وَّبَاطِنَۃً﴾ کہ حق تعالیٰ نے سموات وارض اور ان کی درمیانی چیزوں کو سب کو تمہارے واسطے مسخر کردیا ہے (اور تم پر اپنی ظاہری وباطنی نعمتوں کو پورا کردیا) اور تسخیر کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو تمہاری مصالح انجام دینے کے لئے کام میں لگادیا ہے یہ مطلب نہیں کہ تم بلاواسطہ اُن پر حاکم ہو لیکن چونکہ وہ تمہارے ہی کام میں لگے ہوئے ہیں اس لئے من وجہ وہ تمہارے تابع ہیں پس تجلی روح کے وقت یہ تسخیر اسی صورت سے ظاہر ہوتی ہے کہ تمام عالم روح کے آگے سربسجود نظر آتا ہے جس سے صاحب کشف کو تجلی حق کا شبہ ہوجاتا ہے (۲) یہی دھوکہ حضرت یحییٰ منیری کے ذکر کئے ہوئے بزرگ کو ہوا جو تیس سال کے بعد زائل ہوا اور معلوم ہوا کہ تجلی حق نہ تھی بلکہ تجلی روح تھی تیس سال کے بعد اس پر تنبیہ ہوئی اور اس تجلی میں علامات حدوث (۳) نظر آئیں اس کے بعد حضرت یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ علامات لکھی ہیں

(۱) سارا علم اسکے روبرو سجدہ ریز نظر آتا ہے (۲) جس کو کشف ہوتا ہو اس کو شبہ ہوتا ہے کہ یہ تجلی حق ہے (۳) ایسی نشانیاں نظر آئیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ تجلی بھی ختم ہوجائیگی ہمیشہ نہیں رہے گی اور جو ہمیشہ نہ رہے وہ تجلی حق نہیں ہوسکتی۔

جن سے تجلی روح وتجلی حق کے فرق کو واضح کیا ہے مگر وہ علامات بھی ظنی ہیں ممکن

ہے کہ اُن میں بھی کچھ دھوکہ ہو لیکن جتنی علامات انہوں نے لکھی ہیں چونکہ اُن کے علوم ہمارے علوم سے پھرا چھے ہیں اس لئے اُن کو بیان کرتا ہوں۔

تجلی حق اور تجلی روح میں فرق

وہ فرماتے ہیں کہ تجلی روح کے وقت سالک کے اندر عجب و پندار پیدا ہوتا ہے اور تجلی حق کے وقت فنا و عجز طاری ہوتا ہے یعنی تجلی روح کے وقت اور سب اشیاء پر تو فنا و عجز کا مشاہدہ ہوتا ہے مگر خود سالک پر فنا و عجز[1] کا ورود نہیں ہوتا کیونکہ یہ تجلی تو اُسی کی روح کی ہے جس کے سامنے تمام عالم سربسجود نظر آتا ہے پھر اس پر فنا و عجز کیونکر طاری ہوگا اور تجلی حق کے وقت خود اس کی روح پر بھی فناؤ عجز کا ورود ہوتا ہے اور تمام عالم کے ساتھ خود اس کی روح بھی سربسجود ہوتی ہے اُس وقت سالک پر فنا و عجز کا غلبہ ہوتا ہے علامت تو بہت عمدہ ہے اور جی کو لگتی ہے مگر اس پر بھی قناعت نہ کرو شاید دھوکہ ہو۔

تجلیات کے بارے میں حاجی صاحب کی تحقیق

بس ہمارے حاجی صاحب کی تحقیقات کو ان سب کے بعد دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ واقعی وہ امام وقت تھے حاجی صاحب کا ارشاد ہے کہ ان تجلیات وانوار میں سے کسی پر بھی التفات نہ کرو حضرت کا مذاق بالکل سلف کے مطابق تھا سلف کا فیصلہ اس باب میں یہ ہے كُلُّ مَا خَطَرَ بِبَالِكَ فَهُوَ هَالِك وَاللّٰهُ اَجَلُّ مِنْ ذٰلِكَ کہ تمہارے دل میں جو کچھ بھی خطرہ آئے (جس میں تجلیات وانوارات داخل ہیں) وہ سب فانی ہیں اور اللہ تعالیٰ سب سے اجل ومنزہ ہیں جس شخص کا یہ

(۱) عاجزی اور فنائیت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

مذاق ہوگا وہ کبھی دھوکہ میں نہ پڑے گا وہ کسی تجلی کی عبادت میں مشغول نہ ہوگا اور

یہاں سے معلوم ہوا کہ جب قلب کو بھی حق تعالیٰ کا ادراک نہیں ہوسکتا جو الطف من البصر ہے(۱) تو بصر کو تو اور ادراک کہاں ہوگا(۲)۔ یہاں سے اُن جاہلوں کی غلطی واضح ہوگئی جو دنیا میں رویت حق (۳) کے وقوع یا امکان عادی کے قائل ہیں (اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معراج میں رویت حق (۴) ہوئی ہے اُس سے استدلال نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ رویت دنیا میں نہ تھی بلکہ آخرت میں تھی کیونکہ عرش وسموات مکان آخرت سے ہیں) ہاں قیامت میں البتہ ادراک ہوگا قلب کو بھی اور بصر کو بھی(۵) اور وہاں بھی تمہاری قابلیت کی وجہ سے ادراک نہ ہوگا بلکہ جب وہ مرئی ہونا چاہیں گے(۶) اُس وقت قابلیت عطا کردینگے ۔

داد اورا قابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت داد اوست (۷)

بس سب سے بے التفات رہو اور ان اسرار وغیرہ کے درپے نہ ہو تمہارے درپے ہونے سے کچھ نہ ہوگا بلکہ جب بھی کچھ ہوگا ان کی عنایت سے ہوگا ۔

خود بخود آں شہ ابرار بہ برمے آید نہ بہ زور و نہ بہ زاری نہ بہ زرمے آید(۸)

شاعر نے تو بت عیار کہا تھا میں نے ادباً اس کو بدل دیا ہے۔

حاجی صاحب کا اتباع سنت

ہمارے حضرت حاجی صاحب میں اتباع سنت نقشبندیہ سے بھی زیادہ تھا نقشبندیہ شغل لطائف کی تعلیم بہت اہتمام سے کرتے ہیں مگر حاجی صاحب فرماتے

(۱) نظر سے بھی لطیف ہے (۲) نگاہ تجلی حق کو کہاں دیکھ سکتی ہے (۳) دیدار الٰہی (۴) شب معراج میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا (۵) قیامت میں دل کی آنکھوں اور جسم کی آنکھوں سے تجلی حق کا ادراک ہوگا (۶) جب اللہ لوگوں کو دکھائی دینا چاہیں گے (۷) ''اس کی عطاء کے لئے قابلیت کی شرط نہیں، بلکہ قابلیت کی شرط اُس کی عطاء ہے'' (۸) ''وہ محبوب خود بخود پہلو میں آتا ہے، نہ زور سے نہ گریہ وزاری سے نہ زر سے آتا ہے''۔

تھے کہ لطائف بھی حجب ہیں(۱) اور یہ حجب نورانیہ ہیں جو حجب ظلمانیہ سے اشد

ہیں (۲) پھر فرمایا البتہ لطیفۂ قلب کی طرف توجہ رکھنا چاہیئے کیونکہ حدیث میں قلب کا ذکر ہے اوراس کی طرف توجہ کا امر بھی ہے مَنْ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ مُقْبِلًا عَلَیْھِمَا بِقَلْبِہٖ الخ (۳) سبحان اللہ حدیث کا کتنا ادب ہے کیا آج کوئی شیخ نقشبندی بھی ایسا ہے؟ غرض سالک کو حضرت عارف کے قول پر عمل کرنا چاہیئے ۔

حدیث مطرب و مے گو وراز دہر کمتر جو   کہ کس نکشود ونکشاید بہ حکمت ایں معمارا (۴)

یہی بعینہ حاجی صاحب کا مذاق ہے اور جب اسرار دہر کی طرف بھی التفات سے ممانعت ہے تو اسرار احکام وصفات تو اور بھی صعب ہیں (۵)۔

معانی قرآن

کیونکہ حدیث میں ہے: (اِنَّ لِلْقُرْاٰنِ ظَاھِرًا وَّبَاطِنًا ۔اَخْرَجَہٗ اِبْنِ حَبَّانٍ فِیْ صَحِیْحِہٖ مِنْ حَدِیْثِ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ کَذَا فِی التَّشَرُّفِ ص۱۴) (۶)

اور بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ بطون کثیر ہیں (۷) اور اس کا شب وروز مشاہدہ (۸) ہورہا ہے کہ بعض بطون قرآن ایسے ہیں جن کا ہم کو ادراک ہوگیا ہے (۹) عوام کو نہیں ہوا اور بعض بطون ایسے ہیں جنکا ہمارے اساتذہ کو ادراک ہوگیا ہے ہم کو نہیں ہوا اور بعض بطون پر ائمہ مجتہدین (۱۰) کو اطلاع ہوتی ہے غیر مجتہدین کو نہیں ہوئی

(۱) پردہ میں (۲) یہ نورانی پردہ ہے جو عام پردے سے زیادہ دبیز ہے (۳) ''جس شخص نے حضور قلب سے دو رکعت نماز پڑھی'' (۴) (۲) ''احکامات بیان کرو اور ان کی حکمتیں نہ تلاش کرو کیونکہ ان کی حکمتوں کے معموں کو کوئی حل نہیں کرسکا'' (۵) اللہ تعالیٰ کے احکام اور صفات کی حکمتوں کو سمجھنا تو بہت مشکل ہے (۶) ''یقیناً قرآن کے لئے ظاہر اور باطن ہے ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابن مسعودؓ کی حدیث سے اسکو بیان کیا ہے'' (۷) آیات کے باطنی معنی زیادہ ہیں (۸) جس کو ہم دن رات دیکھتے ہیں (۹) قرآن کریم کی آیات کے بعض باطنی معنی ایسے ہیں جن کا ہمیں علم ہوگیا ہے (۱۰) قرآن کریم کے بعض باطنی معنی فقہائے مجتہدین کی سمجھ میں آگئے ہمیں نہیں معلوم ہوئے۔

جیسے ﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُھٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاَمْوَالِھِمْ﴾ (۱) سے استیلاء

کفار(۲) کا مسئلہ استنباط کرنا مجتہدین ہی کا کام تھا غیر مجتہدین کا ذہن یہاں نہیں پہنچ سکتا تھا اور بعضے بطون ایسے ہیں کہ جہاں ائمہ مجتہدین بھی نہیں پہنچے ان کا علم حضور ﷺ کو تھا اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں ۔

چیست قرآں اے کلام حق شناس رونمائے رب ناس آمد بہ ناس(۳)

حرف حرفش رست در بر معنئے معنئے در معنئے در معنئے(۴)

پھر ایسے اسرار میں گفتگو کرنا کیونکر جائز ہوگا جو اسرار دہر سے بھی زیادہ غامض واصعب(۵) ہیں۔

شیطان کا جرم

اس جگہ میں ایک اور بات کام کی بتلاتا ہوں جو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے سنی ہے فرماتے تھے کہ شیطان کا جرم انکار صانع وانکار توحید(۶) نہ تھا بلکہ موحد تو وہ ایسا تھا کہ نالائق کو توحید کا ہیضہ ہوگیا تھا اس لئے غیر حق کو سجدہ(۷) نہ کیا بلکہ اُس کا جرم یہ تھا کہ اُس نے حق تعالیٰ کے حکم کو خلاف حکمت سمجھا چنانچہ جب سوال ہوا مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ اِذَا أَمَرْتُكَ (تجھ کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا جبکہ میں نے تجھ کو حکم دیا) تو جواب میں کہتا ہے اَنَا

(۱) ''یعنی صدقات فقراء مہاجرین کے لئے ہیں جو اپنے شہروں اور مالوں سے نکالے گئے ہیں'' سورۃ الحشر:۸

(۲) اس آیت سے یہ معنی سمجھنا کہ مہاجرین اپنے وطن میں جو زمین جائداد چھوڑ کر آئے ہیں اور کفار نے اس پر قبضہ کرلیا تو وہ اس کے مالک ہوگئے (۳) ''اے کلام حق کے پہچاننے والے قرآن پاک کیا ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں کی طرف لوگوں کے رب کا رونما ہونا ہے'' (۴) ''اس کا حرف حرف معنی اندر معنی اندر معنی میں ہے'' (۵) ایسے رازوں کے متعلق گفتگو کرنا جائز ہوگا جو زمانے بھر کے رازوں سے زیادہ پوشیدہ ہیں (۶) اللہ کی خالقیت اور وحدانیت کا انکار نہیں تھا (۷) اللہ کے علاوہ کو یعنی حضرت آدم کو سجدہ نہیں کیا۔

خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ میں آدم سے افضل ہوں مجھے آپ

نے آگ سے بنایا ہے اور اس کو مٹی سے یہاں ایک مقدمہ مطوی(۱) ہے اَنَا النَّارُ اَفْضَلُ مِنَ الطِّیْنِ (یعنی آگ مٹی سے افضل ہے) آجکل ایک کوڑھ مغز نے ردمنطق(۲) میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں دعویٰ کیا ہے کہ انتاج(۳) کے لئے دو مقدموں کی ضرورت نہیں بلکہ ایک مقدمہ بھی منتج ہوسکتا ہے(۴) پھر اُس نے ایسے ہی نظائر پیش کئے ہیں جن میں بظاہر ایک مقدمہ مذکور ہے اور دوسرا مقدمہ مطوی(۵) ہے وہ عقلمند مطویہ کو نہیں مانتا مگر یہ بداہتاً غلط ہے دوسرا مقدمہ سامع(۶) کے ذہن میں ضرور آتا ہے اور اُسی سے مل کر نتیجہ نکلتا ہے مگر چونکہ بعض دفعہ دوسرا مقدمہ ظاہر ہوتا ہے اس لئے اس کو حذف کردیتے ہیں ایک مقدمہ کا انتاج کے لئے کافی ہونا(۷) جب مسلم ہوسکتا ہے جبکہ سامع کے ذہن میں بھی دوسرا مقدمہ نہ آتا اور بدون اسکے نتیجہ نکل آتا حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہوتا اور اسکا انکار مکابرہ ہے۔ بہرحال شیطان نے ان مقدمات سے اپنا افضل ہونا ظاہر کیا جس میں درپردہ حق تعالیٰ کے حکم پر اعتراض تھا کہ یہ حکم خلاف حکمت ہے بلکہ حکمت کا مقتضا یہ ہے کہ مفضول سے افضل کو سجدہ کرایا جائے۔

احکام میں حکمتیں تلاش کرنے کا نقصان

جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب سمجھو کہ طلب اسرار سے بھی مرض ابلیس پیدا ہوتا ہے جو شخص اسرار کے درپے ہوتا ہے جب اس کی سمجھ میں کسی حکم کی کچھ حکمت نہیں آتی تو اُس کے دل میں اس حکم پر خلاف حکمت ہونے کا اعتراض پیدا

(۱) پوشیدہ ہے (۲) علم منطق کی تردید میں (۳) حصول نتیجہ کے لئے (۴) بلکہ ایک مقدمہ سے بھی نتیجہ مرتب ہوسکتا ہے (۵) پوشیدہ (۶) دوسرا مقدمہ سننے والے کے ذہن میں ضرور آتا ہے (۷) ایک مقدمہ کا حصول نتیجہ کے لئے کافی ہونا اس وقت ہوسکتا ہے۔

ہوتا ہے اور یہ سنگین جرم ہے اور یہیں سے ایک اور غلطی پر متنبہ کرتا ہوں اس کو بھی

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی نے ظاہر فرمایا ہے اور بزرگوں کی خدمت میں رہنے کا یہی تو نفع ہے کہ اس سے انسان کو غلطیوں پر تنبہ ہوتا ہے اور نفس وشیطان کے مکائد کا علم ہوتا ہے۔(۱)

مولانا یعقوب صاحب کا جواب

قصہ یہ ہے کہ ایک زمانہ میں جبکہ میں دیوبند میں پڑھتا تھا بعض مدعیان خیرخواہ قوم نے مسئلہ وقف علی الاولاد کی(۲) تحریک شروع کی تھی یہ لمبا عنوان مدعیان خیرخواہ قوم میں نے اس لئے اختیا کیا ہے تاکہ توضیح کامل ہوجائے ورنہ اجمالی عنوان (خیرخواہاں قوم وغیرہ) سے ایہام ہوتا اب آئندہ چاہے مختصر عنوان اختیار کروں مگر مراد وہی لوگ ہیں جو بزعم خود قوم کے خیرخواہ ہیں مگر واقع میں خیر خواہ نہیں کیونکہ اُن کی دوستی ریچھ کی سی دوستی ہے غرض ان لوگوں نے مسئلہ وقف علی الاولاد کی تحریک اُٹھائی تھی تو اس زمانہ میں نواب محمود علی خاں صاحب رئیس چھتاری نے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا تھا کہ اس تحریک کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ مولانا نے جواب دیا کہ ایسا خیال حرام ہے بلکہ سلب ایمان کا اندیشہ ہے(۳) کیونکہ اس شخص کے اس خیال کا منشاء صرف یہ ہے کہ مسئلہ میراث کو جو منصوص قطعی(۴) ہے مضر قوم(۵) اور خلاف حکمت سمجھا جاتا ہے چنانچہ اُس وقت خیرخواہانِ قوم نے وقف علی الاولاد کے پاس کرانے کے لئے جن وجوہ کو پیش کیا تھا اُن میں ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس طرح جائیداد حصے بخرے ہونے

(۱) مکاریوں کا علم ہوتا ہے (۲) اپنی جائیداد کو اولاد کے لئے وقف کرنا تاکہ وراثت میں تقسیم نہ ہو (۳) ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے (۴) جس کا حکم قرآن میں صراحتاً موجود ہے (۵) قوم کیلئے نقصان دہ ہے۔

سے محفوظ رہتی ہے اور میراث کے سہام(۱) جاری ہونے سے جائیداد کے ٹکڑے

ہوجاتے ہیں اور کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی فراست

مولانا کا یہ قول میرے ذہن میں تھا اسی لئے جب پری کونسل نے وقف علی الاولاد کو رد کیا اور خیر خواہان قوم پھر اُٹھے اور علماء سے دستخط لئے تو سب نے اُس درخواست پر دستخط کر دیے سوائے میرے۔ کیونکہ میں دیکھ رہا تھا کہ اس وقت بھی وہی لوگ اُٹھے ہیں جو پہلے اس تحریک کو لیکر کھڑے ہوئے تھے اور اُن کا منشا(۲) وہی ہے کہ یہ لوگ مسئلہ میراث کو مضر قوم اور خلاف حکمت (۳) سمجھتے تھے وہ محض اس واسطے اس مسئلہ کو پاس کرانے نہیں اُٹھے تھے کہ وقف علی الاولاد(۴) شرعاً جائز ہے پھر گورنمنٹ اس کو ناجائز کیوں قرار دیتی ہے بلکہ اُن کا منشاء صرف یہ تھا کہ وہ اس کو اقتصادی حیثیت سے قوم کے لئے مفید سمجھتے تھے کہ اس مسئلہ کے پاس ہوجانے سے مسلمانوں کی جائیدادیں محفوظ ہوجائینگی اور حصے بخرے ہونے سے بچ جائیں گی۔ اگر ان کو محض دست اندازی(۵) مذہبی پر جوش ہوتا تو اس کی کیا وجہ ہے کہ پنجاب میں وہ لڑکیوں اور بہنوں کو قانوناً میراث دلانے کی کوشش نہیں کرتے اور گورنمنٹ نے جو وہاں کے رواج کو دیکھ کر حرمان اناث کا قانون کر دیا ہے(۶) اس کو منسوخ نہیں کراتے حالانکہ اس قانون میں بھی شریعت میں دست اندازی(۷) ہے مگر یہاں وہ اس واسطے نہیں بولتے کہ حرمان اناث(۸) کا قانون

(۱) میراث کے حصے (۲) وجہ (۳) قوم کے لئے نقصان دہ اور حکمت کے خلاف (۴) اپنی جائیداد اولاد کے لئے وقف کرنا شرعا جائز ہے (۵) اگر ان کی یہ تحریک صرف اس وجہ سے ہوتی کہ یہ حکومت کا مذہبی معاملات میں مداخلت ہے (۶) عورتوں کو میراث کے حصہ سے محروم کرنے کا قانون بنایا ہے اس کو منسوخ کرانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے (۷) دخل اندازی ہے (۸) عورتوں کو میراث سے محروم کرنا۔

ان کے نزدیک اقتصادی حیثیت سے قوم کیلئے مفید ہے کیونکہ اس صورت میں

جائیداد ایک خاندان سے دوسرے خاندان کی طرف منتقل نہیں ہوتی صرف میت کے عصبات (۱) ہی کو ملتی ہے اور عورتوں کو حصہ دینے میں داماد اور بہنوئی وغیرہ بھی حقدار بن جاتے ہیں جو اکثر دوسرے خاندان کے ہوتے ہیں۔ غرض میں نے ان کی منشاء کو دیکھ کر ان کے ساتھ اتفاق نہیں کیا اور نہ مسئلہ وقف علی الاولاد کے محضرنامے پر دستخط کئے گو یہ مسئلہ فقہ کا ہے مگر ان لوگوں کا منشاء دوسرا تھا اس واسطے حکم بدل گیا۔

منشاء کی تبدیلی حکم کی تبدیلی کا باعث ہے

چنانچہ منافقین کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ﴾ (۲)

یعنی ظاہر میں منافقین کی بات غلط نہ تھی وہ تو مُحَمَّدُ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ ہی کہتے تھے جو عین حق اور عین صدق ہے لیکن اس عین صدق کے تکلم کرنے والے منافقین کو حق تعالیٰ نے کاذبون (۳) فرمایا ہے کیونکہ انکا منشاء اظہارِ حق نہ تھا بلکہ وہ تو مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے مُحَمَّدُ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتے تھے معلوم ہوا کہ بعض دفعہ ایک بات فی نفسہ سچی ہوتی ہے مگر اس کا متکلم صادق نہیں ہوتا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ منشاء کے بدلنے سے حق بات کا حکم بھی بدل جاتا ہے پس اسی طرح وَقْفٌ عَلَى الْاَوْلَادِ کا مسئلہ گو فی نفسہ حق تھا مگر جس منشاء کو لیکر خیر خواہانِ قوم اس میں سعی

(۱) وہ رشتہ دار جنمیں عورت کا واسطہ نہ ہو (۲) ''جب آپ کے پاس منافقین آئے تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتے ہیں کہ بے شک یہ منافقین (اپنی گواہی میں) جھوٹے ہیں'' سورۃ المنافقون:۱ (۳) جھوٹے۔

کر رہے تھے اُس کے اعتبار سے یہ شرعی مسئلہ نہ رہا تھا بلکہ سیاسی مسئلہ ہو گیا تھا جس

میں شرکت کرنے اور اس پر عمل کرنے سے معصیت بلکہ اس سے بڑھ کر سلب (۱) ایمان کا اندیشہ تھا اسی کو مولانا فرماتے ہیں ۔

کفر گیرد کاملے ملت شود ہرچہ گیرد علتی علت شود

اس کی توجیہ میں حاجی صاحب نے فرمایا کہ پہلے مصرع کا مصداق منافق ہے کہ کلمہ توحید پڑھنا اس کے لیئے سب کے نیچے درجہ نار یعنی الدّرک الاسفل من النار تک پہنچنے کا سبب ہوگیا اور دوسرے کی مثال جیسے عمار بن یاسر جنہوں نے کفار کے مجبور کرنے سے کلمہ کفر جاری کرلیا اس کے بعد آیت نازل ہوگئی ان کا فعل قانون شریعت بن گیا کیونکہ اس واقعہ کے بعد آیت کا نزول ہوگیا کہ جو شخص خوف کے وقت کلمہ کفر جاری کرے تو جائز ہے۔

مثنوی کے شعر کا مطلب

اس پر ظاہر میں اشکال ہوتا ہے کہ کامل کا کفر ملت (۲) کیسے بن جاتا ہے مگر ہمارے حضرت حل مثنوی کے امام تھے جب یہ شعر درس میں آیا تو اس کی شرح کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عمارؓ نے حالت اکراہ (۳) میں کلمہ کفر کا تلفظ کرلیا تھا پھر روتے ہوئے حضور ﷺ کے پاس آئے تو فوراً وحی الٰہی میں قانون اکراہ نازل ہوگیا (۴) ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (۵)

(۱) ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ تھا (۲) کامل کا کفر شریعت کیسے بن گیا (۳) مجبور ہوکر منہ سے کلمہ کفر نکالا تھا (۴) مجبور ہوکر کلمہ کفر کہنے کا حکم نازل ہوگیا (۵) ”جو شخص ایمان لائے پیچھے اللہ کے ساتھ کفر کرے مگر جس شخص پر زبردستی کی جائے بشرطیکہ اُس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو لیکن ہاں جو جی کھول کر کفر کرے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہوگا“۔

یہ تو کفر گیرد کاملے ملت شود (۱) کی مثال ہے کہ حضرت عمار چونکہ کامل تھے ان کا اجراء

کلمہ کفر بھی قانون دائمی کا سبب ہوگیا کہ ہمیشہ کو کفر اکراہ کے متعلق قانون جواز مقرر ہوگیا(۲) اور منافقین نے محمد رسول اللہ کہا تھا جو مفتاح قرب وسبب فوز بالجنت ہے(۳) (قرب کی کنجی اور جنت کی کامیابی کا سبب ہے) مگر چونکہ وہ علتی تھے اُن کا کلمۂ شہادت بھی علتی ہوگیا جس سے وہ درک اسفل نار(۴) میں پہنچے جس پر (اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ یُخَادِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ)(۵) اور ''بلاشبہ منافق لوگ چالبازی کرتے ہیں اللہ سے حالانکہ اللہ اس چال کی سزا دینے والے ہیں'' (اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ)(۶) ''بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے'' نازل ہوا اور (وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ)(۷) ''اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافقین اس کہنے میں جھوٹے ہیں'' میں ان کو کذاب کا خطاب ملا۔ یہ ہے:

ہرچہ گیرد علتی علت شود

''جو کچھ علتی اختیار کرے علت ہوجائے'' کی مثال۔ سبحان اللہ حضرت نے ایسی شرح فرمائی کہ علماء ظاہر کو بھی ماننا ہی پڑے گا ہمارے حضرت کو مثنوی سے خاص مناسبت تھی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے تو سب اشکالات طریق مثنوی ہی سے حل ہوجاتے ہیں واقعات سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کی روح مولانا رومی قدس سرہ کی روحانیت سے مستفید تھی ایک دفعہ کسی شعر کی تفسیر میں ایک متبحر عالم نے حضرت سے اختلاف کیا رات کو حضرت نے مولانا رومی کو خواب میں دیکھا اور اس شعر کا مطلب دریافت کیا تو وہی فرمایا جو حاجی صاحب کہتے تھے۔

(۱) کسی کامل شخص کا مجبوراً کلمہ کفر زبان سے ادا کرنا سبب بن گیا مجبوری میں کلمہ کفر کہنے کے قانون کا (۱) مجبوراً کلمہ کفر کہنے کے جواز کا قانون نافذ ہوگیا (۲) جو جنت کی چابی اور جنت میں کامیابی کے حصول کا سبب ہے (۳) دوزخ کے سب سے نچلے درجہ میں جا پہنچے (۴) سورۃ النساء:۱۴۲ (۵) سورۃ النساء:۱۴۵ (۶) سورۃ المنافقون:۱۔

اسرار احکام کی جستجو نہ کرے

یہ مضمون درمیان میں استطر اداً آ گیا میں یہ کہہ رہا تھا کہ طلب اسرار کا نتیجہ بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ جس حکم کی حکمت سمجھ میں نہیں آتی اُس کو یہ شخص خلاف حکمت سمجھنے لگتا ہے جیسا کہ خیر خواہان قوم نے مسئلہ میراث کو مضر قوم(۱) اور خلاف حکمت سمجھا جس کی وجہ سے حضرت مولانا الاستاذ نے یہ فتویٰ دیا کہ اس خیال سے سلب ایمان کا اندیشہ ہے پس اسرار کے درپے ہرگز نہ ہونا چاہیئے احکام الٰہیہ کے اسرار یہاں قطعی طور پر معلوم نہیں ہوسکتے اگر ہونگے تو حشر میں ہونگے وہاں اللہ تعالیٰ سے یہ لوگ پوچھ لیں کہ مسئلہ میراث میں کیا حکمت تھی وہاں فیصلہ ہوجائے گا اور فیصلہ بھی کیسا؟ جیسا ہمارے مولانا فرماتے ہیں ؎

الوعظ ینفع لو بالعلم والحکم والسیف ابلغ وعاظ علی القمم(۲)

روشن دماغ

وہاں جب سر پر حیدریں(۳) پڑینگی سب ہوش وحواس درست ہوجائیں گے ہمارے مولانا فرماتے ہیں کہ آسمان سے پانچ چیزیں نازل ہوئی ہیں چار کتابیں اور پانچویں نعلدار جوتہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیت اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ (ہم نے ان کے ساتھ کتاب نازل کی) میں جس طرح کتابوں کے متعلق انزلنا (ہم نے نازل کی) فرمایا ہے اسی طرح اُس کے متصل ہی حدید کے متعلق بھی انزلنا فرمایا ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ﴾ ''اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے'' جس کی تفسیر مولانا نعلدار جوتے سے فرمایا کرتے تھے

(۱) قوم کے لئے نقصان دہ (۲) ''نصیحت اگر علم وحکمت کے ساتھ ہو تو نفع پہنچاتی ہے اور تلوار سروں پر پڑنی نصیحت گروں میں سب سے زیادہ بلیغ نصیحت گر ہے'' (۳) تلواریں۔

اور اس کا نام مولانا نے روشن دماغ بھی رکھا تھا کیونکہ نعلدار جوتا سر پر پڑنے سے

دماغ درست اور روشن ہوجاتا ہے۔ جس شخص کا دماغ کتاب اللہ سے درست نہ ہو اُس کا دماغ نعلدار جوتے سے درست ہوجاتا ہے۔

ہمدردان قوم کی ناسمجھی

یہ عقل کے پورے مسئلہ میراث کو محض اس لئے خلاف حکمت کہتے ہیں کہ اس سے جائیداد کے ٹکڑے ہوجاتے ہیں ارے عقلمند اگر حق تعالیٰ کو یہی مقصود ہو کہ مسلمان زمیندار نہ بنیں اور اُن کے پاس مال و دولت جمع نہ ہو اور جہاں کچھ سرمایہ اور جائیداد جمع ہوجائے اس کو ٹکڑے کر کے متفرق کر دیا جائے تا کہ مال و دولت کی کثرت سے مسلمان آخرت سے غافل نہ ہوں تو تم اس کو حصے بخرے ہونے سے بچانے والے کون ہوتے ہو؟ حق تعالیٰ تو یوں چاہتے ہیں کہ مسلمان ہمیشہ یوں سمجھتے رہیں وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ''اور آخرت بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے'' اور اس پر نظر کر کے دنیا کے زیادہ جمع کرنے کی فکر نہ کریں۔

شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کا توکل

اور یہ وہی چیز ہے جس سے شیخ عبدالقدوس قدس اللہ سرہٗ کی بیوی تنگدستی میں راضی رہتی تھیں۔ حضرت شیخ متوکل تھے اور فتوحات زیادہ نہ تھیں بعض دفعہ فقر و فاقہ کی بھی نوبت آتی تھی کبھی بی بی صاحبہ عرض کرتیں کہ حضرت آجکل تو بہت تنگی ہے تو آپ فرماتے گھبراؤ نہیں ہمارے واسطے جنت میں عمدہ عمدہ کھانے تیار ہو رہے ہیں بس تھوڑے دنوں کی بات ہے اب وہاں جا کر خوب راحت و آرام سے دن گذاریں گے اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں: وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ''تیرے پروردگار کا رزق بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے'' صاحبو! متاع دنیا کا مسلمان کے پاس

جمع ہونا شرعاً مقصود نہیں۔

مطلوبہ اقتدار

بلکہ بمقابلہ اس کے حکومت البتہ کسی درجہ میں مقصود ہے مگر اس کے لئے بھی حدود ہیں حکومت بھی مطلقاً مقصود نہیں کہیں تم اس سے سوراج کی تائید سمجھ لو وہ تو سوراج ہے(۱) یا سؤ رراج(۲)۔ بلکہ خاص طرح کی حکومت مطلوب ہے جس کی تعریف خود حق تعالیٰ نے اس طرح فرمائی ہے: ﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ﴾(۳) یعنی سلطنت وہ مقصود ہے جس کی یہ شان ہو کہ اُس کی وجہ سے مسلمانوں میں نماز اور زکوٰۃ کی پابندی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا چرچا ہو سب کو دینداری کی تعلیم ہو بددینی کا انسداد ہو(۴) بدعات ورسوم وشرک کا قلع وقمع ہو(۵) گویا سلطنت اس لئے مقصود ہے کہ سب کو ملّا نا بنادیا جائے۔ اور جو لوگ سوراج کے لئے کوشاں ہیں اگر ان کو حکومت مل گئی یہ تو دو دن میں دین کا خاتمہ کردیں گے۔ چنانچہ آج کل ایک اللہ کا بندہ حرمین پر حاکم ہوگیا ہے اور اس نے اسی شان کی حکومت کرنا چاہی تھی جیسی قرآن میں مذکور ہے کہ لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے لگا بدعات ورسوم شرک کو مٹانے لگا لوگوں کو نماز وغیرہ کی تاکید کرنے لگا اس سے یہ خیر خواہانِ قوم بگڑ گئے اور اس کی سلطنت مٹانے کے درپے ہیں اسی سے سمجھ لو کہ یہ لوگ کس قسم کی حکومت چاہتے ہیں یہ تو ایسی حکومت چاہتے ہیں جس میں

(۱) برا اقتدار (۲) سور کا اقتدار (۳) ''یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور دوسروں کو نیک کام کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں'' الحج: ۴۱
(۴) بے دینی کو روکا جائے (۵) بدعات کو جڑ سے اکھاڑا جائے۔

ہر شخص دین سے آزاد رہے شیعہ بھی خوش رہیں اور قادیانی بھی اور قبروں کو پوجنے

والے بھی پس میں ایسی حکومت کو مقصود نہیں کہتا بلکہ اس کے تو ہونے سے نہ ہونا بہتر ہے (مثل مشہور ہے کہ خدا گنجے کو ناخن نہ دے) بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ حکومت تو مسلمانوں کے لئے خاص حدود کے ساتھ مطلوب بھی ہے مگر مال ومتاع کا جمع ہونا تو کسی درجہ میں بھی مقصود نہیں اسی لئے اسباب جمع مال کا ترک کرنا بلا عذر بھی جائز ہے چنانچہ جملہ انبیاء علیہم السلام اور خود ہمارے حضور سید الانبیاء ﷺ نے کسب معاش کا کبھی کوئی سلسلہ نہیں کیا۔

حضور ﷺ کی نبوت

ظہور نبوت سے پہلے حضور ﷺ نے کچھ دنوں بکریاں چرانے کا کام اختیار فرمایا ہے اور کچھ تجارت کا شغل بھی فرمایا ہے تو یہ نبوت سے پہلے کا ایک فعل مباح ہے(۱) اور نبی تو علم حق میں (۲) آپ اُس وقت بھی تھے مگر کام نبوت کا سپرد نہ ہوا تھا اس لئے میں نے کہا تھا'' ظہور نبوت سے پہلے'' ظہور کی قید بڑھانے کا یہی سبب تھا تا کہ معلوم ہوجائے کہ آپ نبی تو اُس وقت بھی تھے، صرف ظہور نبوت بعد میں ہوا کیونکہ حدیث میں ہے: (كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ اَخْرَجَهُ اَحْمَدُ وَالْبُخَارِیُ فِیْ تَارِيْخِهٖ وَصَحَّهُ الْحَاكِمُ وَكَذَا هُوَ بِهٰذَاللَّفْظِ عِنْدَ التِّرْمِذِیُ وَغَيْرُهُ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ التِّرْمِذِیُ اِنَّهُ حَسَنٌ صَحِيْحٌ كَذَا فِی الْمَقَاصِدِ ص ۱۵۳)(۳) یعنی آپ خلقت آدمؑ (۴) سے بھی

(۱) جائز کام (۲) علم الٰہی میں (۳) ''میں نبی ہو چکا تھا حالانکہ آدم علیہ السلام ابھی جسم وروح کے درمیان تھے اس کو احمد نے اور بخاری نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے ایسے وجدن الفاظ کے ساتھ ترمذی کے نزدیک ہے اور ان کے غیر نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے'' (۴) پیدائش آدم علیہ السلام۔

پہلے نبی ہو چکے تھے اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص تحصیلداری میں نامزد ہوگیا ہو مگر

ابھی تحصیل سپرد نہ ہوئی ہو تو یہ شخص تحصیلدار تو نامزدگی کے بعد ہی سے کہلائے گا البتہ کام اُس وقت سے شروع ہوگا جب تحصیل سپرد ہو جائے۔

مال کے بارے میں حضور ﷺ کا عمل

غرض قبل ظہور نبوت حضور ﷺ نے کچھ دنوں کسب معاش کا سلسلہ فرمایا ہے جس سے بہت سے بہت آن کا مباح ہونا ثابت ہوا لیکن بعد نبوت کے آپ نے کوئی سلسلہ نہیں فرمایا اور نہ مال جمع کیا بلکہ بعد نبوت کے آپ کا طرز عمل مال کے متعلق اگر آیا ہے تو یہ آیا ہے کہ ایک دن حضور ﷺ نے عصر کی نماز کا سلام پھیرا اور سلام کے بعد نہایت سرعت (۱) سے گھر میں تشریف لے گئے جس پر صحابہ کو تعجب ہوا کہ کیا بات ہے آپ اس قدر سرعت سے کیوں تشریف لے گئے آپ نے واپس تشریف لاکر فرمایا کہ میرے گھر میں کچھ سونا رکھا ہوا تھا جو تقسیم نہ ہوا تھا میں نے اس کو جا کر تقسیم کر دیا کیونکہ نبی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس پر اس حالت میں رات گذرے کہ اُس کے گھر میں چاندی سونا رکھا ہوا ہو اور ترک سلطنت کی کسی حال میں اجازت نہیں الا بعذر و اضطرار (۲) اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کیلئے حکومت تو شرعاً مطوب ہے مگر مالدار ہونا مطلوب نہیں۔

جمع مال کی حد جواز

تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے مسئلہ میراث کو اسی واسطے مشروع کیا ہوتا کہ مسلمان جمعدار اور مالدار نہ ہوں کیونکہ شریعت نے مقصوداً مال

(۱) جلدی سے (۲) مگر کسی عذر یا مجبوری سے۔

جمع کرنے سے منع کیا ہے اور اس کو مسلمانوں کے لئے مضر بتلایا ہے اِلَّا مَنْ قَالَ

ھٰکَذَا اَوْ ھٰکَذَا مگر جو اِدھر اُدھر تقسیم کرتا رہے اس کو مضر(۱) نہیں یہ تو اس کا اصل حکم ہے لیکن ضعفاء(۲) کو عذر کی وجہ سے جمع مال کی بھی اجازت ہے جبکہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ اطمینان قلب کے لئے بھی مال جمع کرنا جائز ہے مگر جواز سے اس کا مطلوب ومقصود ہونا ثابت نہیں ہوتا اصل مقصود تو آخرت کی طرف مسلمانوں کا متوجہ ہونا ہے اگر کسی کو بدون مال جمع کیئے اطمینان نہ ہو تو اس وقت دین ہی کی مصلحت سے جمع مال کی اجازت دی گئی ہے کیونکہ بدون اطمینان کے دین کا کام بھی نہیں ہوسکتا۔

تقسیم میراث کا فائدہ

لیکن اتنی جمع تو قسمت میراث(۳) کے بعد بھی ہوسکتی ہے جس سے کسی قدر دل جمعی رہے(۴) کیونکہ میراث میں کچھ نہ کچھ تو سب ورثہ کو ملتا ہی ہے گو مجموعہ کی صورت نہ رہے بلکہ اگر سارا مجموعہ ایک گھر میں رہتا ہو تو اس صورت میں صرف اسی گھر کو اطمینان اور دل جمعی حاصل ہوتی اور جب جائیداد تقسیم ہوکر دس گھروں میں پہنچے گی تو دس آدمیوں کو اطمینان نصیب ہوگا جن میں بعضے ایسے بھی ہوں گے جنہوں نے عمر بھر اطمینان کی صورت ہی نہ دیکھی ہوگی اب بتلاؤ مسئلہ میراث خلاف حکمت کیونکر ہوا؟ اور یہ جو مشہور ہے کہ چوتھی پشت میں حالت بدل جاتی ہے کہ اگر پہلے فقیر تھا تو چوتھی پشت میں غنا(۵) ہوجائے گا۔ اگر پہلے غنا تھا تو فقیر ہوجائے گا غالباً اس کا منشاء بھی یہی ہے کہ چوتھی پشت میں جاکر جائیداد وغیرہ کے

(۱) اس کے لئے نقصاندہ نہیں (۲) مالی لحاظ سے کمزور لوگوں (۳) تقسیم میراث کے بعد (۴) دل مطمئن رہے (۵) مالدار۔

حصے بخرے زیادہ ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے مالدار اور جمعدار گھر کی وہ حالت

نہیں رہتی جو پہلے تھی اور ان حصوں کی وجہ سے بعضے غریب مالدار ہو جاتے ہیں کہ ان کے پاس ایک بیگہ زمین بھی نہ تھی تیسری چوتھی پشت میں میراث کے ذریعہ سے اُن کے پاس کچھ زمین پہنچ جاتی ہے اس واسطے یہ قول مشہور ہو گیا کہ چوتھی پشت میں حالت بدل جاتی ہے۔

چند لطائف

یہ اہل تجربہ کا قول ہے جس کے متعلق ایک ملکی کا لطیفہ بھی مشہور ہے ملکی کو چوتھی پشت میں ایسا ہی تنزل ہو جاتا ہے جیسا کہ خود لفظ ملکی کے حروف میں تنزل ہے کہ ہر حرف لاحق کے عدد حرف سابق (۱) سے دس دس کم ہیں کیونکہ اس لفظ میں چار حرف ہیں اول میم جس کے عدد چالیس ہیں پھر ''لام'' جس کے عدد تیس ہیں پھر ''کاف'' جس کے عدد بیس ہیں پھر یاء جس کے عدد دس ہیں گویا لفظ ملکی میں خود اس کی تنزل کی طرف اشارہ ہے کہ چوتھے درجہ میں چالیس کے دس ہی رہ جائیں گے یہ بہت عمدہ لطیفہ ہے۔

اسی قسم کا لطیفہ ایک طالب علم نے لفظ قرنی میں (۲) بیان کیا ہے کہ اس لفظ میں خلفاء اربعہ کی ترتیب خلافت کی طرف اشارہ ہے اور ان کے زمانہ کو بھی حضور ﷺ نے اپنا ہی زمانہ بتلایا ہے اور اشارہ اس طرح ہے کہ لفظ قرنی میں ہر خلیفہ کے نام کا اخیر حرف موجود ہے حضرت ابوبکر صدیق کا ''ق'' ہے اور حضرت عمر کی ''راء'' اور حضرت عثمان کا ''ن'' اور حضرت علی کی ''یاء'' اور اسی قسم کا ایک لطیفہ میں نے بچپن میں سنا تھا وہ سب سے زیادہ لطیف ہے ایک شاعر نے کہا ہے ؎

(۱) ہر بعد والے حرف کے پہلے والے حرف سے دس عدد کم ہیں (۲) خیر القرون قرنی میں۔

ابوبکر یک سو علی ایک جانب خلافت کو گھیرے ہیں باصد صفاتی

الف اور یاء کی طرح ان کو جانو کہ محصور ہے جن میں ساری خدائی
یہ تشبیہہ ہے واقعی توجہ بھی الف اور یاء نے بہ ترتیب پائی
وہ اول خلیفہ کے اول میں آیا یہ آخر خلیفہ کے آخر میں آئی

یعنی جیسے الف اور یاء تمام حروف کو گھیرے ہوئے ہیں اسی طرح حضرت ابوبکر اور علی رضی اللہ عنہما تمام خدائی کو محیط ہیں اور یہ تشبیہ واقعی ہے اس لئے الف اور یاء نے دونوں کے ناموں میں جگہ میں بھی یہی ترتیب پائی کہ الف اول خلیفہ کے نام کے اول میں آیا اور یاء آخر خلیفہ کے نام کے آخر میں آئی اور یہ محض ایک لطیفہ ہے اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہمارا مدعا ان لطائف ہی پر موقوف ہے بلکہ اہل سنت کے پاس حضرات خلفاء ثلٰثہ کی حقیقت خلافت پر دلائل صحیحہ قویہ موجود ہیں(۱) جس سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ جس ترتیب سے ان حضرات کی خلافت وقوع میں آئی وہی حق ہے پھر دلائل سے مقصود ثابت ہوجانے کے بعد تفریح طبع کے لئے لطائف کے بیان کا بھی مضائقہ نہیں باقی ان سے استدلال مقصود نہیں گو دوسرے فرقوں کے یہاں دلائل بھی اکثر اسی قسم کے ہیں وہ لطائف ہی کو دلائل کے موقع میں بیان کرتے ہیں اور بیچارے ایسا نہ کریں تو کیا کریں کیونکہ باطل کے لئے دلیل صحیح کہاں سے آئے چنانچہ ایک شیعی نے حضرت علیؓ کی تعریف اور فضیلت میں یہ شعر کہا ہے ؎

علی کا نام بھی نامِ خدا کیا راحتِ جاں ہے
عصائے پیر ہے تیغِ جواں ہے حرزِ طفلاں ہے

اس میں لطیفہ یہ ہے کہ ''عین'' کی شکل اوپر سے مثل عصا کے ہے(۲) اور

(۱) اہل سنت کے پاس خلفائے ثلاثہ ابوبکر، عمر، وعثمان کی علی الترتیب خلافت پر قوی دلائل موجود ہیں
(۲) لاٹھی کے سرے کی طرح ہوتی ہے۔
عدد اس کا ستر ہے جو بوڑھے شخص کی عمر ہے اور ''ل'' کی خمدار شکل تلوار کی سی ہے اور

عدد اس کا تیس ہے جو جوان کی عمر ہے اور ''ی'' کی شکل تعویذ کی سی ہے(۱) اور عدد اس کا دس ہے جو بچہ کی عمر ہے لطیفہ بہت عمدہ ہے مگر اس کو دلیل بنانا جیسے بعض اہل غلو کی عادت ہے غلط ہے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی فضیلت کا کس کو انکار ہے مگر اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ تم خلفاء ثلٰثہ کی مفضولیت کو ان لطائف سے ثابت کرنے لگو ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ حضرت علی کے لئے بہت فضائل ہیں جو ان لطائف سے اقویٰ ہیں مگر حضرات خلفاء ثلاثہ کا درجہ ان سے بڑھا ہوا ہے۔

باطل استدلال

اسی طرح کانپور میں ایک شخص نے مجھ سے ایک شیعی کا قول نقل کیا کہ اس نے اپنی جماعت پر سے قرآن کے حفظ نہ کرسکنے کا الزام اس طرح اتارا کہ سنی جو قرآن حفظ کرتے ہیں وہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کی برابری کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی حافظ قرآن ہیں تو یہ لوگ حفظ کرکے اس صفت میں خدا کی برابری کرتے ہیں اور شیعی ایسی گستاخی نہیں کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اُس شیعی سے یہ بھی کہہ دینا کہ تمہارا خدا کیسا ہے کہ سنیوں کا بچہ بچہ بھی اس کی برابری کرسکتا ہے بس جس سنی کا دل چاہے وہ قرآن حفظ کرکے اس کی برابری کرے اور ہمارا خدا ایسا ہے جس کی برابری تمام دنیا بھی مل کر کرنا چاہے تو کسی بات میں بھی برابری نہ کرسکے۔ غرض یہ ہیں ان فرقوں کے دلائل جن پر جاہل سے جاہل آدمی بھی ہنستا ہے۔

(۱) گود کی مانند ہے۔

اہل تشیع کے حافظ نہ ہونے کی وجہ

چونکہ اس جگہ شیعوں کے حفظ قرآن کا ذکر آ گیا اس لئے استطراداً ایک اور بات کہتا ہوں وہ یہ کہ آج کل مسلمانوں میں یہ بات زیرِ غور ہے کہ شیعہ کو قرآن حفظ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور بہت لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ شیعہ ہرگز حفظ نہیں کر سکتے اور اس دعوے کو بہت زور کے ساتھ شیعہ کے مقابلہ میں ان کو عاجز کرنے کے لئے بیان کرتے ہیں اور واقعی شیعہ نے آج تک ایسے مواقع میں اپنا کوئی حافظ پیش نہیں کیا اور اس بات سے وہ بہت عاجز اور نادم ہوجاتے ہیں (۱) لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں اس کی بناء محض تجربہ غالبہ پر ہے اس لئے ہم زبان سے اس کا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ شیعہ سے حفظ قرآن محال یا متعذر ہے اب رہی یہ بات کہ ان میں حافظ کیوں نہیں ہوتے؟ آیا اس کا منشاء حضرات خلفاء ثلٰثہ کی شان میں گستاخی ہے جس کی نحوست سے اُن کو حفظ نہیں ہوسکتا یا کچھ اور بات ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ اس میں گو اس گستاخی کی نحوست کو بھی دخل ہو مگر اس کا اصل منشاء ان لوگوں کی بے توجہی ہے کہ ان کو قرآن کے ساتھ لگاؤ اور دلچسپی نہیں اس لئے ان کو اس کے پڑھنے پڑھانے اور حفظ کرانے کا اہتمام بھی نہیں اور ممکن ہے کہ اس عدم اہتمام اور عدم تعلق کا سبب اُس کے محرّف (۲) ہونے کا اعتقاد ہو بہرحال عدم (۳) حفظ کا سبب قریب تو عدم اہتمام ہی ہے اب عدم اہتمام کا سبب جو بھی چاہے ہو اگر یہ لوگ بھی سنیوں کی طرح قرآن کے پڑھنے پڑھانے کا اہتمام کرتے تو غالباً ان کو بھی قرآن حفظ ہوسکتا تھا محال یا متعذر ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

(۱) شرمندہ (۲) تحریف شدہ (۳) حفظ نہ کرنے کا سبب۔

حفظ قرآن کی برکت

چنانچہ پانی پت میں شیعہ کے بعضے بچے حافظ ہو جاتے ہیں مگر رہتے نہیں اور حفظ نہ رہنے کا سبب بھی وہی عدم اہتمام ہے۔ ایک شیعی لڑکا غلام سردار نام میں نے خود دیکھا ہے کہ وہ حافظ ہو گیا تھا مگر بعد میں سنی ہو گیا کیونکہ جب وہ حافظ ہو گیا تو رمضان کے موقع پر اس نے اپنی جماعت سے کہا کہ تراویح میں میرا قرآن سنو انہوں نے کہا کہ ہمارے یہاں تو نہ جماعت ہے نہ تراویح ہے۔ اُس نے کہا کہ جب تراویح میں میرا قرآن نہ سنا جائے گا تو مجھے محفوظ کیونکر رہیگا شیعوں نے کہا کہ جو کچھ بھی ہو ہم تیری وجہ سے تراویح تو نہیں پڑھ سکتے اُس نے کہا تو پھر میں سنی ہوتا ہوں تا کہ میرا حفظ باقی رہے چنانچہ وہ سنی ہو گیا۔ تو اس لڑکے کو دیکھ کر میرا خیال یہی ہے کہ شیعہ کے عدم تحفظ کا سبب ان کا عدم اہتمام ہے اگر وہ تحفظ کا اہتمام کریں تو حافظ ہو سکتے ہیں مگر حافظ رہیں گے نہیں کیونکہ بقاء حفظ کا سامان اُن کے پاس نہیں اور تنہا پڑھنے سے حفظ باقی نہیں رہتا اس میں کچھ تراویح (۱) میں سنانے کو خاص

(۱) میں کہتا ہوں کہ غالباً اسی بات کو دیکھ کر حضرات فقہاء نے تراویح میں ختم قرآن کو ایک بار سنت موکدہ کہا ہے اور کسل قوم سے بھی اس کے ترک کی اجازت نہیں دی اگر اس حکم کو بدلا گیا اور ختم واحد کو بھی لازم نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ شیعہ کی طرح سنیوں میں سے بھی حفظ قرآن کا سلسلہ جاتا رہے: ولیست التّراویح باکّد من حفظ القراٰن فلمّا انحصر طریق بقاءہٖ فی الُختم مرّۃ فی التّراویحِ بالجّربۃ لزم الُقول بتاکدہٖ لا فی نفسہ بالغیر۔ ولھذا اذھب بعض فقھاء نا الی عدم تاکد التراویح بعد حصول الختم فیھا مرۃ ولا یلزم من وعداللّٰہ یحفظہ عدم لزوم الاھتمام باسبابہ کیف وقد حرّمنا کتابۃ ترجمۃ القراٰن مجردۃ عن المتن واشاعتھا کذٰلك لاخال ذلك فی حفظ القراٰن وافضاء ہ الی انعدامہٖ ظاھرا فکذا ھذا والعمری انّ قول الفقھاء بتاکد الختم مرۃ فی رمصان وان لم یظھر لنا ولیلۃ نصا لا یحتاج بعد مشاھدۃ ھٰذہ الحال الی دلیل ھذا ما عندی واللّٰہ تعالی اعلم ۱۲ظ۔ (تراویح حفظ قرآن سے زیادہ موکد نہیں ہیں جبکہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ حفظ قرآن کے باقی رہنے کا طریق تراویح میں ایک مرتبہ ختم کرنے ←

دخل ہے مگر میں نے اپنا یہ خیال اپنی جماعت کے سامنے بیان کردیا ہے کہ یہاں سب اپنے ہی ہیں اور اس ضرورت سے بیان کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ شیعہ کا حافظ نہ ہونا کوئی شرعی مسئلہ نہیں جیسا کہ بہت سے عوام کا خیال ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میرے اس خیال کو شیعہ میں مشتہر کیا جائے۔

بڑائی وہ ہے جس کی دشمن گواہی دیں

ایک صاحب نے غضب کیا کہ ضلع مظفرنگر میں ایک مقام پر شیعوں اور سنیوں کی اس بات پر گفتگو ہورہی تھی کہ شیعہ حافظ قرآن نہیں ہوتے اور اس بات سے وہ لوگ بہت شرمندہ ہورہے تھے اُس مجلس میں اُس بھلے مانس نے میرا یہ قول بیان کردیا کہ میں نے فلاں شخص کی تحقیق اس مسئلہ میں یہ سنی ہے کہ شیعہ اس لئے حافظ نہیں ہوتے کہ اسکا وہ اہتمام نہیں کرتے اگر اہتمام کریں تو حافظ ہوسکتے ہیں اس کو سن کر شیعہ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے واقعی اس شخص نے دماغ حکیمانہ پایا ہے سبحان اللہ کیا سچا فیصلہ کیا۔ میں کہتا ہوں کہ جب تم کو میرے حکیمانہ دماغ کا اقرار ہے تو پھر میرا مذہب کیوں نہیں اختیار کرلیتے کیونکہ جس کا حکیمانہ دماغ ہوگا وہ

→ میں منحصر ہے تو تراویح کے موکد ہونے کا قائل ہونا لازم آگیا نہ فی نفسہ بلکہ بغیرہ) اسی بنا پر ہمارے بعض فقہاء ایک مرتبہ تراویح میں ختم قرآن ہونے پر تراویح کے موکد نہ ہونے کی طرف گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا اس کی حفاظت کرنے کا وعدہ کرنے پر یہ لازم نہیں کہ اس کی حفاظت کے اسباب کا اہتمام نہ کیا جائے اس کے اسباب کے اہتمام کرنے کی وجہ سے ہم نے قرآن کی عبارت کو چھوڑ کر محض ترجمہ کی طباعت اور اس کی اشاعت کو ہم نے حرام کردیا ہے تاکہ وہ ظاہراً حفاظت قرآن میں مخل اور اس کے انہدام کی طرف مفضی نہ ہو اپنی جان کی قسم فقہاء کا رمضان میں ایک مرتبہ ختم قرآن کے موکد ہونے کا قول اگرچہ نص میں اس کی دلیل ہم کو نہیں ملی اس حالت کے مشاہدہ کے بعد کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے یہ میرے نزدیک ہے۔ واللہ اعلم

مذہب بھی صحیح اختیار کرے گا یہ کیا کہ اس بات میں تو میرا دماغ حکیمانہ ہوگیا جو اُن کے موافق مطلب تھی اور باقی باتوں میں حکیمانہ دماغ نہ رہا۔

تقسیم میراث کی حکمت

اس کی مناسبت سے ایک اور واقعہ یاد آ گیا کہ میں ایک دفعہ سادات کے ایک گاؤں میں گیا جہاں ایک سنی نے مجھے وعظ کے لئے بلایا تھا تو اس موقع پر یہ لوگ ایسی خاطر سے پیش آئے کہ میں شرما گیا کیونکہ شیعوں میں ظاہری تہذیب بہت ہوتی ہے یہاں تک کہ بعض شیعہ نے بیعت کی بھی درخواست کی مگر میں نے یہ کہکر ٹال دیا کہ اس کی کچھ شرائط ہیں جو بذریعہ خطوط طے ہوسکتی ہیں اور ٹالنے کی وجہ یہ تھی کہ میں جانتا تھا کہ جس وقت شرائط بیعت پیش کروں گا جن میں سب سے پہلے تبدیل مذہب کی شرط ہوگی تو اس وقت یہ سب تہذیب رخصت ہوجائے گی۔ یہ گفتگو ملکی کے لطیفہ پر چلی تھی میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر خدا تعالیٰ کو یہ تنزل ہی مقصود ہو کہ چوتھی پشت میں جا کر بہت جائیداد والا بڑا زمیندار نہ رہے تو پھر مسئلہ میراث پر خلاف حکمت ہونے کا اعتراض تم کیونکر کرسکتے ہو۔ ارے جس بات کی وجہ سے تم اس کو خلاف حکمت سمجھتے ہو اگر واقع میں خدا تعالیٰ کے نزدیک وہی حکمت ہو تو پھر کیا کہو گے؟ کچھ بھی نہیں تمہارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں بس اب ہم یوں کہیں گے ؎

معشوق من است آنکہ بر نزدیک توزشت است(۱)

کہ جس بات کو تم عیب سمجھتے ہو اور مضر قوم بتلاتے ہو حقیقت میں وہی حکمت ہے اور قوم کی فلاح حقیقی اسی میں ہے۔ یہ میں نے تبرعاً مسئلہ میراث کی حکمت بیان کردی۔

(۱) ''میرا محبوب وہ ہے جو تیرے نزدیک بدصورت ہے''۔

طالب اسرار کے لئے جواب

مگر طالب اسرار کے سامنے میں یہ بیان نہیں کیا کرتا بلکہ ایسے لوگوں کے لئے میرے پاس دوسرا جواب ہے جب کوئی مجھ سے کسی حکم کا راز یا حکمت پوچھتا ہے تو میں کبھی تو وہ جواب دیتا ہوں جو اوپر گذر چکا کہ آپ کے سوال عن الحکمت میں کیا حکمت ہے اور کبھی یہ جواب دیتا ہوں کہ ہمیں اسرار وحکم معلوم ہیں مگر نہیں بتلاتے کیونکہ ہم کسی کے نوکر نہیں ہیں ہاں شریعت کے غلام ہیں اور شریعت نے تبلیغ احکام کا تو ہم کو حکم کیا ہے، بیان اسرار وحکم کا امر نہیں کیا پس ان کا بیان کرنا یا نہ کرنا شرعاً ہمارے اختیار میں ہے تو ہم نہیں بیان کرتے اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔

مصلحانہ جواب

ایک بار میں علیگڑھ گیا تو کالج کے ایک عربی وانگریزی داں پروفیسر جو وہاں کے مجمع میں قابلیت میں یکتا سمجھے جاتے تھے مجھ سے ملنے آئے اور اُن کا یکتا ہونا مجھے بعد میں معلوم ہوا انہوں نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ حدیث میں جو آیا ہے:

(مَا ظَهَرَ الزِّنَا فِیْ قَوْمٍ اِلَّا فَشَافِیْهِمُ الطَّاعُوْنَ اَوْ نَحُوُهُ)(۱)

یہ سمجھ میں نہیں آیا میں نے پوچھا کہ مدلول لفظی سمجھ میں نہیں آیا یا زنا وطاعون کا ربط نہیں سمجھ میں آیا؟ کہنے لگے ربط سمجھ میں نہیں آیا میں نے کہا تو ضرر کیا ہوا کیونکہ عمل واعتقاد کے لئے فہم ربط کی ضرورت نہیں آپ مدلول لفظی کو سمجھ ہی گئے ہیں اُسی پر اعتقاد وعمل رکھیئے کہنے لگے کہ ضرر تو کچھ نہیں ہوا لیکن اگر ربط معلوم ہوجائے تو نفع ہے میں نے کہا کیا نفع ہے تو کہنے لگے اس سے اطمینان ہوجائے گا میں نے کہا اسی کی کیا دلیل ہے کہ اطمینان مطلوب ہے چونکہ وہ ذی علم تھے اس لئے

(۱) کسی قوم میں زنا کا ظہور ہوا اس میں طاعون یا اس کے مثل (کوئی اور بیماری) پھیل گئی۔

دلیل میں ایک آیت پڑھ دی ﴿قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ﴾ ''انہوں نے عرض کیا یقین کیوں نہ لاتا لیکن اس غرض سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ میرے قلب کو سکون ہوجائے'' کہ ابراہیم علیہ السلام نے حصول اطمینان کے لئے کیفیت احیاء موتیٰ کا سوال کیا اور حق تعالیٰ نے اس منشاء کو رد نہیں کیا میں نے کہا کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ جو چیز ابراہیم علیہ السلام کے لئے نافع ہو وہ آپ کے لئے بھی نافع ہو یہ ضروری نہیں کہ جو دوا ایک شخص کو نافع (۱) ہو وہ دوسرے کو بھی نافع ہو اس پر وہ خاموش ہوگئے پھر میں نے شیخ زادہ پن سے کام لیا اور کہا مولانا یہ نہ سمجھیئے گا کہ مولویوں کو اس کی حکمت معلوم نہیں بحمد اللہ معلوم ہے مگر ہم نہیں بتاتے کیونکہ اسرار وحکم کو بتلانا ہمارے ذمہ نہیں پھر میں نے یہ شعر پڑھا ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبر ے نیست کہ نیست (۲)

جواب گو ظاہر میں روکھے پن کا جواب ہے مگر اصلاح اسی سے ہوتی ہے کیونکہ آج کل بد دماغ لوگوں کا یہ خیال ہوگیا ہے کہ مولویوں کے ذمہ ہر بات کا جواب دینا ہے۔

مولانا غوث علی صاحب کا حکیمانہ جواب

چنانچہ مولوی غوث علی صاحب پانی پتی نے ایسے ہی جواب سے ایک خاں صاحب کی اصلاح کی تھی وہ مولوی صاحب کے پاس آئے اور بہت للکار کر اینٹھ مڑوڑ کے ساتھ کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کو کیمیا آتی ہے فرمایا ہاں آتی ہے کہا

(۱) اور راز اس میں یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اطمینان مشاہدہ سے ہوا جس میں زوال ممکن نہیں اور یہاں اگر ہوگا مقدمات ظنیہ سے ہوگا جس میں زوال ممکن ہے پس ایک اطمینان کو دوسرے اطمینان پر قیاس نہیں کرسکتے ۱۲ (۲) ''مصلحت نہیں ہے کہ راز آشکارا ہوجائے ورنہ رندوں کی مجلس میں کوئی ایسی خبر نہیں کہ نہ معلوم ہو''۔

بتلادو فرمایا نہیں بتاتے کہا کیوں؟ فرمایا میں تمہارے باوا کا نوکر ہوں کہ جو پوچھو بتلا ہی دوں۔ اب ذرا خاں صاحب کا دماغ ڈھیلا ہوا اور لگے خوشامد کرنے مولوی صاحب نے کہا ہاں اب راستے پر آئے خانصاحب چلمیں بھرو خدمت کرو دو سال میں تین سال میں اگر کبھی مزاج چاہا تو بتلا دیں گے اس کے بعد کھانے کا وقت آیا تو مولوی صاحب نے جنگل کی پتیاں اُبال کر پیش کیں خاں صاحب ناک منہ چڑھانے لگے مولوی صاحب نے کہا خاں صاحب ابھی کیا ہے یہ تو کیمیا کی پہلی منزل ہے آگے آگے اس سے بھی زیادہ لطف ہیں خانصاحب کہنے لگے تب تو محض واہیات ہے فرمایا ہاں اس میں شک کیا ہے خانصاحب کو ہدایت ہوئی اور اپنا راستہ لیا۔ مولوی صاحب کے ایسے ایسے لطیفے بہت ہیں۔

مدعی الوہیت کو جواب لاجواب

چنانچہ ایک دفعہ مولوی صاحب اپنے پیر کے ساتھ جارہے تھے راستہ میں ایک مقام پر گذر ہوا جہاں ایک شخص مدعی الوہیت تھا کمبخت اپنے کو خدا کہتا تھا مولوی صاحب کے پیر کو بڑا غصہ آیا اور اُس کو مارنا پیٹنا چاہا مولوی صاحب نے کہا حضرت مارنے پیٹنے سے کیا ہوگا خواہ مخواہ فساد ہوگا کچھ لوگ اس کے موافق بھی ہونگے وہ برسر مقابلہ ہونگے (۱) آپ ٹھہریئے میں جا کر اس کی اصلاح کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے جیب میں باسی روٹیاں سڑی بھُسی لیں اور ان پر سڑا ہوا سالن رکھ کر پہنچے اور اس شخص سے ملے اور پوچھا کہ آپ کا اسم شریف اُس نے کہا کہ میں اللہ رب العالمین ہوں مولوی صاحب نے کہا الحمدللہ کہ حضور سے دنیا ہی میں ملاقات ہوگئی اور ہم کو عرش وسموات طے کرنے نہ پڑے آپ ہی نے عرش سے دُنیا میں

(۱) مقابلے پر آجائیں گے۔

نزول فرمالیا اب بندوں کو بہت آسانی ہوگئی اس کے بعد وہ روٹیاں جیب سے نکالیں اور ہدیہ میں پیش کیں اُس نے بدبوکی وجہ سے ناک بھول چڑھائی تو آپ فرماتے ہیں کہ حضور جب خالق آپ ہیں تو رازق بھی آپ ہی ہیں جیسا آپ نے ہم کو دیا ویسا ہی ہم نے آپ کے سامنے پیش کردیا اس پر وہ خفیف ہوا(۱) اس کے بعد مولوی صاحب نے کہا کہ حضور ایک آیت کی تفسیر میں علماء کا بہت اختلاف ہے کسی جانب کو ترجیح نہیں معلوم ہوتی اب اس سے بہتر کیا موقع ہوگا کہ خود صاحب کلام موجود ہیں تو حضور خود ہی اپنے اس کلام کو حل فرماویں اور ایسی تقریر فرمادیں جس سے میری تشفی ہوجائے اس کے بعد وہ آیت پڑھی چونکہ وہ شخص بالکل جاہل تھا اس لئے بے ساختہ بول اُٹھا کہ میں تو جاہل آدمی ہوں فرمایا پھر خدا کدھر سے ہوا کہ اپنے کلام کے معنی بھی معلوم نہیں، کہنے لگا میں خداودا کچھ نہیں یہ محض میرے نفس کی شرارت تھی اب توبہ کرتا ہوں مولوی صاحب کے یہاں ایسے لطیفے بہت ہوتے رہتے تھے اور وہ ہر شخص کو اُس کے مذاق کے مطابق جواب دیتے اور اُسی سے بند کردیتے تھے چنانچہ اس موقع پر گفتگو کا یہ طرز اختیار نہیں کیا کہ اُس کی الوہیت کا انکار کرکے مباحثہ کرتے بلکہ حکیمانہ طرز اختیار کیا کہ اس کو ظاہراً تسلیم کرکے پھر جواب دیا اور اُس سے توبہ کرالی اسی حکیمانہ طرز کا وہ جواب بھی تھا جو خاں صاحب کو دیا کہ جاؤ ہم نہیں بتلاتے اس طرح کے جواب سے اُس بددماغ کا دماغ درست ہوا۔

علماء کو نصیحت

مولویوں کو آجکل یہی طرز اختیار کرنا چاہیئے عوام کے تابع ہوکر ہر بات کا

(۱) شرمندہ ہوا۔

جواب نہ دینا چاہیئے اسرار کے متعلق صاف کہہ دو کہ بعضے اسرار تو ہم خود نہیں جانتے اور بعضے جانتے ہیں مگر چونکہ بتلانا ہمارے ذمہ نہیں اس لئے نہیں بتلاتے اور ایسا ایک اور جواب بھی ہے وہ یہ کہ ہم بتلا بھی دیتے مگر تم سمجھو گے نہیں اس لئے نہیں بتلاتے اس پر اگر کوئی یہ کہے کہ قرآن وحدیث تو آسان ہے سمجھ سے باہر نہیں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾(۱) اور حدیث میں ہے اَلدِّیْنُ یُسْرٌ ''دین آسان ہے'' اس کا جواب یہ ہے کہ آیت اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے مطالب ومقاصد کا سمجھنا اور اُن پر عمل کرنا آسان ہے لِلذِّکْرِ خود اس کو ظاہر کر رہا ہے یہ مطلب نہیں کہ دلائل واسرار کا سمجھنا بھی آسان ہے۔ چنانچہ شریعت کے مطالب ومقاصد تو اس قدر سہل ہیں(۱) کہ دیہاتی اور جاہل بھی اُن کو سمجھ سکتا ہے کہ خدا ایک ہے وہ اپنی صفات میں بے نظیر ہے اور رسول اللہ ﷺ اس کے پیغمبر ہیں قیامت کا دن آنے والا ہے پھر نماز فرض ہے، زکوٰۃ فرض ہے، زنا اور سود اور چوری حرام ہے، نماز، روزہ کے یہ احکام ہیں، بیع وشرا کے یہ احکام ہیں وغیرہ وغیرہ بتلاؤ ان میں کونسی بات باریک ہے کوئی اقلیدس کی شکل نہیں، معقولی اور فلسفی دعوے نہیں جن کے سمجھنے میں دماغ کو کاوش ہو سیدھی سیدھی باتیں ہیں البتہ ان کے دلائل وحکم ضرور دقیق ہیں جن کو متکلم وفقیہہ ہی سمجھ سکتا ہے پس الدین یسرٌ ''دین آسان ہے'' کی تفسیر یہ کرنا کہ دین کے اسرار ودلائل بھی آسان ہیں جن کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے غلط ہے اور مشاہدہ کے خلاف ہے کیونکہ ہر شخص دلائل شرعیہ واسرار احکام کے فہم کا اہل نہیں۔

(۱) ''اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے'' القمر: ۱۷(۲) آسان۔

درس نظامی کی خوبی

غرض یہ گفتگو اس پر چلی تھی کہ حدیث قدسی معجز ہے یا نہیں؟ اور معجز ہے تو متلو کیوں نہیں (۱) میں نے کہا تھا کہ یہ علم اسرار کی قبیل سے ہے ان اسرار کو نہ ہم معلوم کریں اور نہ اس میں گفتگو کریں تو حدیث قدسی میں (ھواھل التقویٰ واھل المغفرۃ) ''وہی ہے جس کے عذاب سے ڈرنا چاہیئے اور وہی ہے جو بندوں کے گناہ معاف کرتا ہے'' کی تفسیر یہ آتی ہے (انا اھل ان اتقی ومن اتّقی فانا اھل ان اغفر لہ او کما قال) ''یعنی میں اہل ہوں اس بات کا کہ مجھ سے ڈرا جائے اور جو شخص ڈرے گا پس میں اہل ہوں اس کا کہ میں اس کے گناہ معاف کردوں'' اور اس تفسیر کا لطف اہل علم کو آئے گا جو قواعد نحو سے واقف ہیں۔ علماء متقدمین نے فہم قرآن کے لئے ایسے قواعد منضبط کئے ہیں (۲) جن کے بعد قرآن کا سمجھنا بہت آسان ہوگیا اور علوم درسیہ میں جتنے علوم اور کتابیں رکھی گئی ہیں وہ سب قرآن وحدیث ہی کی تسہیل کے لئے رکھی گئی ہیں اور ان کتابوں میں ایسی عمدہ ترتیب رکھی گئی ہے کہ اُن کو پڑھ کر آدمی بڑے سے بڑا متکلم وادیب وواعظ ومفسر ومحدث ہوسکتا ہے۔ آج کل بعض لوگوں کو علم کلام جدید کی تدوین کا خبط ہورہا ہے۔

تجدید علم کلام

واہیات بس اس خیال سے اس کو جدید کہہ لو کہ تمہارے شبہات جدید ہیں ورنہ علم کلام قدیم کے قواعد قیامت تک کے شبہات کا جواب دینے کے لئے کافی ہیں چنانچہ میرا ایک رسالہ ہے بلکہ رسلیا اور یہ لغت مجھے ایک بریلوی عنایت

(۱) حدیث قدسی بھی اگر ایسا کلام ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے لوگ عاجز ہیں تو پھر اس کی تلاوت کیوں نہیں کی جاتی (۲) ایسے قواعد لکھے ہیں۔

فرما سے معلوم ہوا اُس نے حفظ الایمان کو رسلیا(۱) کہا تھا تو ایسا ہی ایک چھوٹا سا رسالہ میرا الانتباہات ہے وہ تمام شبہات جدیدہ کے ازالہ کا کفیل ہے ذرا کوئی اس کے اصول کو توڑ تو دے انشاء اللہ قیامت تک کوئی نہ توڑ سکے گا اور وہ رسالہ علم کلام قدیم ہی کے قواعد سے لے کر لکھا گیا ہے پس علم کلام جدید کا خیال محض خبط ہے متقدمین کے اصول سب شبہات کے دفع کے لئے کافی ہیں اور قرآن وحدیث کا تحقیقاً سمجھنا تو بدون ان کے ممکن ہی نہیں ۔ تو علماء نحو نے لکھا ہے کہ مصدر کبھی معروف ہوتا ہے کبھی مجہول تو اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ ''تقویٰ'' تو مصدر مجہول ہے اور ''مغفرۃ'' مصدر معروف اب طلبہ کو اِس عنوان تعبیری سے لطف آئے گا اور وہ سمجھ گئے ہوں گے کہ اَھُلٌّ اَنْ اُتَّقٰی (میں اس بات کا اہل ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے) کے ساتھ تفسیر مصدر سے مجہول ہونے پر مبنی ہے اور اَھُلُ اَنْ اَغْفِرُلَہٗ ''میں اہل السبات کہ اس کے گناہ بخش دوں'' کے ساتھ تفسیر مصدر معروف ہونے پر مبنی ہے۔

تمہید اور مقصود میں فرق

اب میں مقصود کا بیان شروع کرتا ہوں ابھی تک صرف تمہید ہی تھی جو اتفاق سے لمبی ہوگئی اور میں تو کہا کرتا ہوں کہ تمہید اکثر لمبی ہوا کرتی ہے مقصود لمبا نہیں ہوا کرتا۔ دیکھو روٹی مطلوب ہے وہ تو مختصر ہے اور اس کی تمہید کس قدر لمبی ہے کہ زمین کو جوتو، ہل چلاؤ، بیل خریدو، پانی دو۔ اور ہزار قسم کے جھگڑے کرو تب روٹی سامنے آتی ہے یہ ایسا ہے جیسے مور کی دُم مور سے لمبی ہوتی ہے حالانکہ مثل تمہید مقصود کے

(۱) چھوٹا سا رسالہ۔

تابع ہے۔ دیوبند میں اس پر ایک لطیفہ ہوگیا ایک طالب علم نئے آئے تھے اُن سے دوسرے طالب علموں نے سوال کیا اَلْکُلُّ اَعْظَمُ مِنَ الْجُزْءِ ''کل جزو سے بڑا ہے'' کو قطعی کہتے ہیں حالانکہ مور کی دُم مور سے لمبی ہوتی ہے یہاں تو اَلْجُزوِ عَظْمٌ مِنَ الْکُلِّ ''جزء کل سے بڑا ہے'' ہوگیا تو وہ طالب علم صاحب سوچ کر کیا فرماتے ہیں: مَا مِنْ عَامٍ اِلَّا وَقَدْ خُصَّ عَنْهُ الْبَعْضُ ''کوئی عام ایسا نہیں جس سے بعض کی تخصیص نہ کی گئی ہو'' یہ مثال اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے واقعی ایسے سمجھدار لوگوں کو منطق وفلسفہ پڑھنا جائز نہیں کیونکہ جب فہم صحیح نہیں تو معقول وفلسفہ پڑھ کر اُن کو دین کے احکام ومسائل اور شبہات پیدا ہوں گے اور جس کی فہم صحیح ہے وہ تو خود فلاسفہ کے اقوال ہی سے ان کے دعاوی کو باطل کردے گا۔ ایک زمانہ میں مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے صدر شمس، بازغہ، میر زاہد، امور عامہ(۱) کو نصاب سے خارج فرمادیا تھا اس پر بعض طلبہ نے شور کیا مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت مولانا نے ان کتابوں کو حرام فرمادیا تو مولانا نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے ان کتابوں کو حرام نہیں کیا بلکہ تمہاری طبیعتوں نے ان کو حرام کیا ورنہ ہم تو جیسا بخاری کے پڑھنے کو ثواب سمجھتے ہیں ایسا ہی امور عامہ کے پڑھنے کو ثواب سمجھتے ہیں۔

عوام کی حالت

اب تمہید کے بعد مقصود کو بیان کرتا ہوں جو غالباً مختصر ہی ہوگا وہ یہ کہ آج کل ایک خاص غلطی کے متعلق ہماری دو حالتیں ہیں ایک اتقیاء کی جو خواص الخواص سے معتبر ہوں گے (۲) اور ایک بے باک لوگوں کی جو عوام سے معبر

(۱) کتابوں کے نام ہیں (۲) جن کو خواص سے تعبیر کیا جائے گا۔

ہوں گے عوام کی حالت تو یہ ہے کہ انہوں نے صرف شان مغفرت کو مدنظر رکھا ہے اور شان ان اتقی کو پیش نظر نہیں رکھا گو عقیدہ اُن کا بھی یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ گناہوں پر مواخذہ بھی فرماتے ہیں اور جب کبھی وہ اپنی حالت کو سوچتے ہیں تو دل میں خوف وخشیت بھی پاتے ہیں مگر اس کا حال ان پر غالب نہیں کہ ہر وقت خوف وخشیت پیش نظر ہو یہ غلطی بھی غلطی ہے مگر اتنی زیادہ شدید نہیں جتنی دوسری غلطی شدید ہے کیونکہ اس کا انجام یہ ہے کہ پٹ چھت (۱) کہ ایک دن جنت میں پہنچ جائینگے اس غلطی کا درجہ معصیت ہی کی حد میں ہے۔ نیز اس غلطی کا زائل کرنا بھی آسان ہے کہ ان لوگوں کو وعید سنائی جائیں۔

اتقیاء کی غلطی

اور ایک غلطی اتقیاء کی ہے جو خواص الخواص ہیں کہ وہ حق تعالیٰ کے اہل التقویٰ ہونے کی شان پر اتنی نظر رکھتے ہیں کہ اَھْلُ الْمَغْفِرَۃِ سے بالکل نظر قطع کر لیتے ہیں مجھ کو اس وقت ان ہی کے متعلق بیان کرنا ہے نہ خواص سے تعرض کروں گا جن سے مراد عام صلحاء ہیں جو خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا ''جنہوں نے ملے جلے عمل کیئے تھے اور کچھ برے'' کے مصداق ہیں کیونکہ ان دونوں غلطیوں سے بری ہیں نہ وہ عوام کی طرح صرف شان اَنْ اَغْفِرَلَہٗ ''میں ان کو بخش دوں'' پر نظر کو منحصر کرتے ہیں نہ خواص الخواص کی طرح صرف شان اَنِ اتَّقٰی پر بلکہ وہ دونوں طرف نظر رکھتے ہیں اس لئے میں اس وقت اُن کو خطاب نہیں کرتا اور نہ عوام کی غلطی سے زیادہ تعرض کروں گا کیونکہ میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ وہ غلطی

(۱) عذاب دوزخ بھگت کر جنت میں پہنچ جائیں گے۔

زیادہ شدید نہیں مجھ کو اس وقت اتقیاء اور خواص الخواص کی غلطی کا ازالہ مقصود ہے جو صرف شان تقویٰ پر اتنی نظر رکھتے ہیں کہ شانِ مغفرت پر اُن کی نظر حالاً نہیں پہنچتی اور یہ وہ لوگ ہیں جن سے کبھی گناہ نہیں ہوتا یعنی عمداً نہیں ہوتا اگر کبھی اتفاق سے ہوگیا تو اُن کی یہ حالت ہوتی ہے ؎

بر دلِ سالک ہزاراں غم بود گر زباغِ دل خلالے کم بود(۱)

حاصل یہ ہوا کہ وہ خود گناہوں پر جرأت نہیں کرتے ورنہ معصوم تو سوائے انبیاء علیہم السلام کے کوئی نہیں ہے بشر تو بشر ہی ہے(۲) یعنی فارسی کا بشر جس میں باء جارہ لفظ شر پر داخل ہے۔

تعبیر خواب

اس فارسیت پر ایک لطیفہ یاد آیا ایک زمانہ میں مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے سرکاری اسکول میں ملازمت کے لئے گورنمنٹ کے یہاں درخواست دے رکھی تھی۔ اسی زمانہ میں خواب دیکھا کہ بریلی کی طرف سے کچھ بطیں(۳) اُن کے مکان کی طرف آرہی ہیں یہ خواب مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا فرمایا اگر مٹھائی کھلاؤ تو اور تعبیر ہے اور مٹھائی نہ کھلاؤ تو اور تعبیر ہے انہوں نے مٹھائی کا وعدہ کیا تو فرمایا جاؤ تم بریلی میں بیس روپیہ کے ملازم ہوجاؤ گے اور مٹھائی کا وعدہ نہ کرتے تو میں یہ تعبیر دیتا کہ گیارہ روپیہ کے ملازم ہوجاؤ گے، اس کے حقیقت پوچھنے پر فرمایا کہ لفظ بط کے عدد فارسی کے اعتبار سے گیارہ ہیں اور عربی میں طاء مشدّد ہے میں نے اُس کو مکرر لے کر بیس سے تعبیر

(۱) ''سالک کے دل پر ہزاروں غم وارد ہوتے ہیں اگر باطنی حالت میں ذرہ بھر بھی کمی پاتا ہے'' (۲) انسان کے ساتھ تو شر لازم ہے (۳) بطخیں۔

دی اور معبر کو یہ اختیار ہے کہ چاہے مکتوبی حروف کا اعتبار کرے یا ملفوظی کا۔

اتقیاء کا حال

بہرحال بشر تو شر سے خالی نہیں۔ لیکن اتقیاء سے گناہ صادر نہیں ہوتا البتہ سہواً کبھی ایسا ہوجاتا ہے۔ اور بعض دفعہ یہ غلطی ہوجاتی ہے کہ مقدمات معصیت پر تو اُن کو تنبہ ہوجاتا ہے مگر وہ اُن پر التفات تام نہیں کرتے۔ اور (التفات نہ کرنے کی بناپر) وہ مُفْضِیْ اِلَی الْمَعْصِیَۃِ ''گناہ کی طرف پہنچانے والا ہوجاتا ہے'' اور بعض دفعہ مقدمات کا مقدمات معصیت ہونا ہی معلوم نہیں ہوتا جیسے ایک عورت سامنے سے گذری نفس نے اس کو دیکھنے کا تقاضا کیا اُس نے تقاضے کو روکا پھر اتفاقاً اس کا بچہ رویا جو اُس کے ساتھ پیچھے پیچھے تھا اب شیطان آیا اور اُس نے اس متقی سے کہا کہ تم اس بچہ کی اعانت کرو اس کی ماں نے اس کو نہیں دیکھا تم اس کو اُٹھالو اب اس نے اُس طرف اس نیت سے نظر کی کہ دیکھوں ماں نے بچہ کو دیکھا ہے یا نہیں بس یہ اُس نے برا کیا عورت کی طرف نظر ہرگز نہ کرنا چاہیئے تھی اب نظر کے بعد اس کو تنبہ ہوا کہ اس نظر میں نفس کی شہوت کا شائبہ ضرور تھا اب شیطان پھر آیا اور اس نے کہا کہ تم نے عمداً یہ گناہ کیا ہے اور تم عوام کی مثل نہیں ہو بلکہ صاحب نسبت متقی ہو تمہارا یہ جرم نہایت سنگین ہے اب دیکھئے یہ خطا معاف ہو یا نہ ہو۔ پھر چونکہ یہ شخص مراقبات نعماء وعنایت الٰہی کیئے ہوئے ہے جس کی وجہ سے حیاء من اللہ کا غلبہ ہے تو اب حیاء کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ زبان سے مارے حیا کے اللّٰھم اغفرلی بھی نہیں نکلتا استغفار کرنا چاہتا ہے مگر زبان نہیں چلتی بس اس کا یہ حال ہوجاتا ہے ۔

اَحَبُّ مُنَاجَاتِ الْحَبِیْبِ بِاَوْجِہٖ وَلٰکِنَّ لِسَانَ الْمُذْنِبِیْنَ کَلِیْلٌ (۱)

اتقیاء پر غلبہ حیاء

بلاتشبیہہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے اطباء نے لکھا ہے کہ بعض لوگ غلبۂ حیا کی وجہ سے عورت پر قادر نہیں ہوتے اُن کو اس سے شرم آتی ہے کہ ایک ایسی عورت کے ساتھ جو نکاح سے ایک ساعت پہلے اجنبی محض تھی اور نکاح کے وقت مثل مہمان اپنے گھر میں آئی ہوئی ہے ایسی حرکت کریں جو ظاہر میں خلاف تہذیب ہے پس ابتداء میں تو غلبۂ حیا کی وجہ سے وہ قادر نہیں ہوتا پھر اس کو اپنی نسبت یہ وہم ہوجاتا ہے کہ میں اس کام کے قابل ہی نہیں بلکہ جماع سے عاجز ہوں پھر وہم بڑھتے بڑھتے مایوسی پیدا ہوجاتی ہے اور یہ اپنے کو غین سمجھنے لگتا ہے۔

غلبہ حیاء کا علاج

اس کا علاج اطباء نے یہ لکھا ہے کہ بہ تکلف اُس کو حیا کم کرنا چاہیئے اور دل لگی مذاق اور بے تکلفی اختیار کرنا چاہیئے۔ اسی طرح طریق باطن میں جس شخص کو غلبۂ حیاء استغفار سے مانع ہو اُس کا علاج یہی ہے کہ وہ بے حیا بن کر اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ''اے اللہ مجھ کو معاف کر اے اللہ مجھ کو معاف کر'' کہے اور بار بار کہے اور اپنی اس حالت حیاء پر التفات نہ کرے بلکہ بہ تکلف اس حیاء کو کم کرے اس شخص کے لئے واقعی مرن ہے(۲) جس سے اب تک تو حیاء دار (۳)

(۱) ''مناجات حبیب چند وجوہ سے پسندیدہ تر لیکن گناہگاروں کی زبان (غلبہ حیا سے) نہیں چلتی'' (۲) مرنے کا مقام (۳) باحیاء۔

بننے کو کہا گیا تھا اور آج بے حیاء بننے کو کہا جارہے ہے مگر اس حیاء کو چولہے میں ڈالنا چاہیئے جو اس وقت محبوب سے بعد کا(۱) سبب بن رہی ہے حیاء وغیرہ اُسی وقت تک مطلوب ہیں جب تک موجب قرب ہوں اور اگر موجب بعد ہونے لگیں تو اب ان کی ضد مطلوب ہوگی خوب کہا ہے مولانا نے ؎

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں خاک برفرقِ قناعت بعد اندیں(۲)

اور ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

بہرچہ ازدوست وامانی چہ کفر آں حرف وچہ ایماں
بہر چہ ازیار دورافتی چہ زشت آں نقش وچہ زیبا(۳)

غرض اس کا علاج یہی ہے کہ بے حیا بن کر زبان سے توبہ واستغفار کے کلمات نکالے اور بار بار ان کا تکرار کرے ورنہ اگر یہ حیاء ہی میں رہا تو چند روز کے بعد وہم بڑھے گا اور یہ یوں سمجھے گا کہ میں مردود ہوگیا پھر مردودیت کا خیال دل میں جگہ پکڑ لے گا تو اس کو اپنی مغفرت سے مایوسی ہوجائے گی اور کفر کی سرحد پر پہنچ جائے گا جیسے وہ حیاء دار غلبۂ حیاء کی وجہ سے ابتدا میں عورت سے رکا پھر اپنے کو عنین لاعلاج سمجھنے لگا بس اس کا علاج یہی ہے کہ بے حیا بن کر دربار میں چلا آئے۔

مغلوب الحیاء کی مثال

ورنہ اس کی وہ مثال ہوگی جیسے ایک ناپاک شخص دریا سے گذرتا ہے اور اس کے پاس جانے سے شرماتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ناپاک اور دریا پاک وصاف

(۱) دوری (۲) ''اگر بادشاہ حقیقی مجھ سے طمع کے خواہشمند ہوں تو قناعت کے سر پر خاک ڈالدوں گا یعنی ترک کردوں گا'' (۳) ''جس چیز کی وجہ سے محبوب سے دوری ہو وہ قابل ترک ہے خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو''۔

میں اس کے پاس کیونکر جاؤں مگر دریا کہتا ہے کہ بچہ جی تم میرے ہی پاس آنے سے پاک ہوسکتے ہو اگر پاک ہونا چاہتے تو بے حیا بن کر اسی حال میں چلے آؤ ورنہ عمر بھر ناپاک ہی رہو گے۔ کیونکہ دریا تو خود آنے سے رہا اور تم اس کے پاس جاتے نہیں تو پھر کام کیونکر چلے گا اگر کوئی درجۂ مرادیت (۱) میں ہو تو اور بات ہے مراد کے پاس دریا خود ہی پہنچ جاتا ہے گو وہ کتنا ہی بھاگا پھرے مگر مراد بنا نہ کسی کے اختیار میں ہے نہ کسی کو اسکا علم ہے پھر اُس کے بھروسہ کیسے رہے پھر یہ کہ اکثر تو مرید ہی ہوتے ہیں اور مرید نے اگر شرم کی اور شرم کو بالائے طاق نہ رکھا تو وہ مارا گیا بس اس کو یہ شعر پیش نظر رکھنا چاہیئے جو کسی نے حق تعالیٰ کی طرف سے کہا ہے گویا حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں ؎

باز آ باز آ ہرآنچہ ہستی باز آ گر کافر وگبروبت پرستی باز آ
ایں درگہ مادرگہ نومیدی نیست صد بار اگر تو بہ شکستی باز آ (۲)

زہر سے علاج

مراد پر ایک حکایت یاد آئی حضرت فرید عطار نے ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک طالبعلم نے شیخ سے عرض کیا کہ مجھے حق تعالیٰ کے دیدار کی بہت تمنا ہے کوئی تدبیر بتلایئے جس سے خواب میں دیدار ہوجائے۔ شیخ نے فرمایا کہ آج رات کو عشاء کی نماز چھوڑ دو دیدار ہوجائے گا۔ طالب کو اس تدبیر سے بڑا توحش ہوا(۳) کہ شیخ نے یہ کیا فرمایا دولت دیدار معصیت سے حاصل ہوگی۔ پھر چونکہ

(۱) اگر مراد ہو تو دوسری بات ہے جیسے حضرت عمرؓ کہ حضور کی مراد تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اسلام لانے کی دعا کی تھی (۲) ''واپس آ واپس آ جو کچھ بھی تو ہے واپس آجا اگر کافر اور آتش پرست اور بت پرست ہے تو بھی واپس آیہ ہمارا دربار نا اُمیدی کا دربار نہیں ہے اگر سو بار تو نے توبہ توڑی ہے تو بھی واپس آجا'' (۳) بہت وحشت ہوئی۔

اُس نے اس وقت تک کبھی نماز قضا نہیں کی تھی اس لئے ہمت نہ ہوئی مگر شیخ کے قول کا الغا بھی (۱) گوارا نہ ہوا تو اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ لاؤ آج سنتیں چھوڑ دو اور فرض ووتر پڑھ لوسنتوں کا ترک اہون ہے (۲) سنتیں چھوڑ کر جو سویا تو رات کوخواب میں جناب رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی آپ فرمارہے ہیں کیوں بھائی ہم نے کیا خطا کی جوتم نے آج ہماری سنتوں کو چھوڑ دیا اس تنبیہ سے فوراً آنکھ کھل گئی اور اُٹھ کر سنتیں پڑھیں صبح کو شیخ سے یہ واقعہ بیان کیا شیخ نے فرمایا کہ اگر فرض چھوڑ دیتے تو خواب میں اللہ تعالیٰ کو یہی فرماتے ہوئے دیکھتے۔ شیخ فریدالدین عطار نے تو قصہ لکھ کر چھوڑ دیا اور اس کی حقیقت مفصل نہ بتلائی کہ فرض چھوڑنے اور دیدار حق ہونے میں ربط کیا تھا صرف مجملاً اتنا لکھا ہے طبیب کبھی زہر سے بھی علاج کرتا ہے۔ بس اتنا لکھ کر چلے گئے اور علماء ظاہر کو صوفیہ پر طعن (۳) کرنے کا موقع مل گیا کہ یہ مشائخ بھی شریعت کی ذرا عظمت نہیں کرتے کہ شریعت تو فرض کے چھوڑنے پر وعید سناتی ہے اور یہ فرض کے چھوڑنے کی اجازت دیتے اور اُس پر بشارتیں مرتب کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا دیدار ہوتا اور یوں ہوتا۔

حاجی صاحب کا بلند مقام

میں حاجی صاحب کو امام وقت اسی لئے کہتا ہوں کہ وہ ایسے ایسے وحشتناک واقعات کو اس خوبی سے حل فرماتے تھے کہ شریعت پر بھی پورا انطباق (۴) ہوجاتا تھا حاجی صاحب نے اس حکایت کو بیان کرکے فرمایا کہ وہ طالب علم مراد تھا (۵)

(۱) شیخ کی بات کو بیکار سمجھنا (۲) ہلکا گناہ ہے (۳) اعتراض (۴) پورا صادق آتا (۵) مطلوب تھا۔

شیخ کو معلوم تھا کہ یہ مراد ہے اگر فرض چھوڑ کر سوئے گا تو حق تعالیٰ اس کو نہ چھوڑیں گے فوراً خواب میں تنبیہہ فرما کر وقت کے اندر اندر اس سے نماز پڑھوالیں گے پس شیخ نے ترک نماز کی اجازت نہیں دی بلکہ عمر بھر کے لئے اس کو ایسا پابند کرنا چاہا کہ پھر کبھی اس کا وسوسہ بھی نہ آتا کیونکہ حق تعالیٰ کی تنبیہ کا عشاق پر خاص اثر ہوتا ہے۔ بہرحال مراد تو اگر خود کبھی رکتا ہے تو حق تعالیٰ خود اُس کے پاس پہنچ جاتے ہیں مگر یہ دولت ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتی اور نہ اس میں کسب (۱) واختیار کو دخل ہے ہمارے اختیار میں مرید بننا ہے اور مرید کے لئے یہی قاعدہ ہے کہ خود محبوب کی طرف چلنے کی کوشش کرے اگر یہ اعراض کرے گا اُدھر سے بھی اعراض ہوگا پس اس کو شرم نہ کرنا چاہیئے بلکہ ایسے وقت میں عدوئے شرم (۲) کو بلانا چاہیئے کہ ؎

اے عدوئے شرم واندیشہ بیاد (اے شرم واندیشہ دشمن آ تو) .... دوسرا مصرع یاد نہیں رہا۔

سالکین کو پریشانی

اب آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ اتقیاء کی یہ غلطی کیسی اشد ہے (۳) عوام کو گناہ کر کے توبہ استغفار سے کچھ بھی رکاوٹ نہیں ہوتی اور نہ اُن کو مایوسی کا وسوسہ آتا ہے نہ اُن پر کفر کا خطرہ ہوتا ہے مگر اخص الخواص کو یہ بات رات دن پیش آتی ہے کہ ذرا سی خطا میں غلبۂ حیاء اُن کو اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ''اے اللہ مجھ کو معاف کر'' کہنے سے بھی روک دیتا ہے واقعی یہ دولت باطنیہ مثل جنت کے ہے جیسے جنت کے بارہ میں آیا ہے حَفَّتْ بِالْمَکَارِہِ ''جنت مکارہ سے گھری ہوئی ہے'' ایسے ہی اس دولت باطنیہ میں قدم قدم پر مکارہ ہیں اول تو سالک کو یہ مصیبت پیش آتی ہے

(۱) فعل واختیار (۲) شرم کے دشمن بے شرمی (۳) متقیوں کی غلطی کتنی سخت ہے۔

کہ اس کو حَیَاءٌ مِنَ الْخَلْقِ سے چھڑایا جاتا ہے کہ اطاعت حق میں کسی سے شرم نہ کرو کسی کی پرواہ نہ کرو بلکہ حق تعالیٰ سے حیا کرو اُن کی معصیت (۱) نہ کرو اب جب اس میں حیاء من اللہ ''اللہ سے حیا'' کی صفت راسخ ہوگئی تو اب دوسری مصیبت پہلے سے اشد (۲) یہ پیش آئی کہ اس کو ایسے موقع پر حیاء مع الحق سے بھی روکا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جب کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو بے حیاء بنکر دربار پر کھڑے ہوجاؤ بغیر اس کے کام نہ چلے گا سالکین کو یہ واقعات پیش آتے ہیں اس واسطے میں اس کو بیان کررہا ہوں۔ پھر اس حالت میں اس کا بھی لحاظ نہ کرو کہ اللھم اغفرلی دل سے بھی نکلتا ہے یا نہیں بس تم زبان سے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی ''اے اللہ مجھ کو معاف کرا ے اللہ مجھ کو معاف کر'' کہتے رہو چاہے دل سے نکلے یا نہ نکلے۔

حاجی صاحب کی تحقیق

حضرت حاجی صاحب سے جب کوئی عرض کرتا کہ ذکر میں وساوس آتے ہیں توجہ نہیں ہوتی اس لئے نفع نہیں ہوتا تو فرماتے کیا یہ نفع نہیں ہے کہ زبان سے ذکر کی توفیق ہورہی ہے لذّت وحظ (۳) پر نظر نہ کرو۔ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ طلب مقصود ہے وصول مقصود نہیں تم طلب کے وقت طلب پر نظر رکھو وصول پر نظر نہ کرو کہ فائدہ ہوا یا نہیں ؎

کار خود کن کار بیگانہ مکن (۴)

تمہارا کام طلب ہے تم وہ کرو وصول حق تعالیٰ کا کام ہے وہ خود

(۱) نافرمانی نہ کرو (۲) پہلے سے سخت (۳) لذت ومزہ (۴) ''اپنے کام میں لگو دوسرے کے کام میں دخل نہ دو''۔

کریں گے۔ یہ ایسی تحقیق ہے جس کے بعد سالک کو پریشانی ہو ہی نہیں سکتی دوسرے مشائخ کے یہاں تو ہم نے یہ دیکھا ہے کہ جہاں مرید نے وساوس وقلت نفع کی شکایت کی انہوں نے ایک وظیفہ دل جمعی کے لئے بتلا دیا پھر اُس وظیفہ میں اسی کی شکایت کی تو ایک وظیفہ اور بتلا دیا اب وہ مجموعۂ وظائف ہوگیا اگر پھر بھی حضور حاصل نہ ہوا تو کیا سر دے ماریں گے پھر حاجی صاحب ہی کے قول کی طرف رجوع کریں گے اور تجربہ ہے کہ ان ترکیبوں سے نفع نہیں ہوتا بلکہ نفع اسی طریق سے ہوتا ہے کہ لذّت ونفع پر نظر نہ کرے بلکہ کام ہی کو مقصود سمجھے۔

طریقہ علاج

اور یہ وظائف تو ملذذات (۱) ہیں اور محض ملذذات سے کام نہیں چلا کرتا بلکہ صحیح طریقۂ علاج یہ ہے کہ اول مرض کی جڑ کو نکالا جائے جس کے لئے کڑوی دوا ہی نافع ہوتی ہے ملذذات کا درجہ بعد میں ہے جبکہ مرض کی جڑ نکل جائے اور میں تو ایسے لوگوں سے جو ذکر میں مزہ نہ آنے کی شکایت کرتے ہیں کہہ دیا کرتا ہوں کہ میاں مزہ تو مذی میں ہے یہاں مزہ کہاں یہ تو لوہے کے چنے، جب اگر لوہے کے چنے چبانا ہوں تو آؤ اور اگر یہ منظور نہیں تو عشق کا نام نہ لو کیونکہ ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن دل بدستِ دگرے دادن وحیراں بودن (۲)

یہاں تو حیرت ہی حیرت ہے لذت کا کیا کام اور آگے اس سے بھی سخت بات ہے ؎

سوئے زلفش نظرے کردن ورویش دیدن گاہ کافر شدن گاہ مسلمان بودن (۳)

---

(۱) لذتوں کا باعث (۲) ''عاشقی کیا ہے محبوب کا بندہ بن جانا۔ دل دوسرے یعنی محبوب کے قبضہ میں دے دینا اور حیران رہنا'' (۳) ''محبوب کی زلف یعنی تجلی کی طرف نظر کرنا، کبھی کافر یعنی فانی ہونا ہے کبھی باقی یعنی مسلمان ہونا''۔

اصطلاحات صوفیاء

اس لفظ سے گھبرانا نہیں کیونکہ یہ اُن کی خاص اصطلاح ہے اوراس اصطلاح کی نظیر قرآن میں بھی آئی ہے فرماتے ہیں: ﴿ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ﴾(۱)معلوم ہوا کہ ہر کفر مذموم نہیں ہے بلکہ ایک کفر محمود بھی ہے یعنی كُفْرٌ بِالطَّاغُوْتِ ''شیطان کے ساتھ کفر کرنا'' تو کافر بھی بہ ایں معنی محمود ہے اور صوفیہ کی اصطلاح میں بھی کافر کے معنی اسی کے قریب ہیں کیونکہ وہ فانی کو کافر کہتے ہیں جو غیر حق سے نظر قطع کر چکا ہو تو اس کا حاصل بھی وہی ہے جو كَافِرٌ بِالطَّاغُوْتِ کا حاصل ہے کیونکہ صوفیہ کے نزدیک ہر غیر حق طاغوت ہے جس کو وہ صنم اور بت سے تعبیر کرتے ہیں اور مسلمان اُن کی اصطلاح میں باقی کو کہتے ہیں اور کفر واسلام فناؤبقا کو کہتے ہیں۔ اسی معنی کو حضرت خسرو فرماتے ہیں ؎

کافر عشقم مسلمانی مرا درکار نیست ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنار نیست (۲)

علماء ظاہر کو نصیحت

مگر مولوی ان اصطلاحات کے نہ جاننے سے خواہ مخواہ ان بیچاروں کو کافر کہتے ہیں۔ مگر میں ان مفتی صاحب سے جو گو قیمتی ہیں مگر کفر کے فتوے بلا فیس مفت بانٹتے ہیں کہتا ہوں کہ اگر تم ان اصطلاحات کی وجہ سے صوفیہ کو کافر کہتے ہو تو ابن حاجب اور علماء نحو کو بھی کافر کہو کیونکہ حدیث میں تو یہ آیا ہے کہ الف حرف لام حرف میم حرف اور نحاۃ نے یہ غضب کیا کہ جس چیز کو حضور ﷺ نے حرف فرمایا ہے وہ

(۱) ''جو شخص شیطان کے ساتھ کفر کرے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تو اُس نے مضبوط حلقہ تھام لیا'' (۲) ''میں عشق میں فانی ہوں مجھ کو بقا کی خواہش نہیں ہے میری ہر رگ نار ہوگئی ہے زنار کی ضرورت نہیں ہے''۔

اس کو اسم کہتے ہیں جس میں حدیث کی مخالفت لازم آتی ہے۔ یاد رکھو صوفیہ تو تمہارے فتوئے اسلام کے بھوکے نہیں ہیں وہ تو صرف ایک کے بھوکے ہیں جس کے ہاتھ میں حقیقتاً اسلام وکفر کی کنجی ہے(۱) مگر تم اپنی خیر مناؤ، کہیں بے گناہوں کو کافر کہتے کہتے تمہارے ایمان پر آفت نہ آجائے۔

غیور صوفیاء

اگر یہ کہو کہ ان حضرات نے ایسی وحشت ناک اصطلاحیں ہی کیوں مقرر کیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس کو ان باتوں سے توحش ہوتا ہو وہ اُن کی کتابیں نہ دیکھے اور وہ تو خود بھی تم جیسے نااہلوں پر اپنی کتابوں کا مطالعہ حرام کرتے ہیں ایک عارف صاف فرماتے ہیں: یَحْرَمُ النَّظَرُ کُتُبِنَا لِمَنْ لَمْ یَذُقْ مَذَاقَنَا ''جس نے ہمارے مذاق کا ذائقہ نہیں چکھا اس کو ہماری کتابیں دیکھنا حرام ہے'' اس پر اگر یہ کہو کہ شاید کچھ دال میں کالا ہے جب ہی تو اس کو چھپاتے ہیں تو سبحان اللہ اگر کسی کی بیوی حسین ہو اور اس سے کوئی سوال کرے کہ تمہاری بیوی کو دیکھنا جائز ہے یا حرام تو بتلاؤ وہ کیا جواب دے گا؟ یقیناً اگر وہ غیور ہے تو یہی جواب دے گا کہ حرام ہے کیا اس پر بھی آپ کہیں گے کہ شاید دال میں کالا ہے اور اگر کوئی یوں ہی کہے تو اُن کی بلا سے محروم کو یہی سمجھنا مبارک ہو اس کے سمجھنے سے حسین محبوبہ تو بدنما نہ ہوجائے گی۔ یہ تو غیور کا جواب تھا۔

بے باک صوفیاء

اور جو ذرا بے باک ہیں وہ گویا نقاب کھول کر معترض کے سامنے کردیتے اور یوں کہتے ہیں ؎

(۱) چابی ہے۔

ایں است کہ دل بردۂ وخوں خوردہ بسے را بسم اللہ اگر تابِ نظر ہست کسے را (۱)

جیسا حضرت زلیخا نے کیا تھا کہ ملامت گر عورتوں کو گھر میں بلا کر بٹھلا دیا اور یوسف علیہ السلام سے کہا اُخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ذرا ان کے سامنے تو آجاؤ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا إِنْ هٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ (۲) صورت دیکھتے ہی ہوش اُڑ گئے اور بجائے پھل کاٹنے کے سب نے اپنے ہاتھ کاٹ لیئے۔

بعض صوفیاء کا حال

اسی طرح حضرات صوفیا میں بعض پر تو غیرت کا غلبہ ہے وہ نااہلوں پر اپنے علوم کا مطالعہ حرام کرتے ہیں اور اُن کے سامنے اپنے علوم کو ظاہر نہیں کرتے بلکہ جب غیرت کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے تو وہ اس سے بڑھ کر یوں کہتے ہیں ؎

بخدا کہ رشکم آید زدو چشم روشن خود کہ نظر دریغ باشد بنگیں لطیف روئے (۳)

اس وقت ان کو خود اپنے دیکھنے سے بھی غیرت آتی ہے دوسرے کا دیکھنا تو کیا گوارا ہوتا اور کبھی شوق کا غلبہ ہوتا ہے تو یوں کہتے ہیں ؎

گر بیاید ملک الموت کہ جانم بہ برد تا نہ بینم رخ تو روح رمیدن نہ دہم (۴)

اور اس وقت کبھی دوسرے کے سامنے بھی اپنے حقائق ومعارف کو پیش کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو ہمارا محبوب ایسا ہے ؎

---

(۱) ''یہی تو ہے جو بہتوں کے دل لے گیا اور خون پیئے ہیں بسم اللہ اگر کسی کو دیکھنے کی قدرت ہے تو دیکھ لے'' (۲) ''پس جب عورتوں نے جوان کو دیکھا تو حیران رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لیئے اور کہنے لگیں للہ یہ شخص آدمی ہرگز نہیں یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے'' یوسف:۳۱ (۳) بخدا مجھ کو آنکھوں پر رشک آتا ہے کہ وہ محبوب کے چہرہ انور کو دیکھتی ہیں'' (۴) ''یعنی اگر ملک الموت میری جان لینے کو آئے تو میں آپ کی جب تک تجلی نہ دیکھ لوں گا جان نہ دوں گا''۔

ایں است کہ دل بردہ وخوں خوردہ بسے را بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسے را(۱)

اوراس کے ساتھ ہی خیر خواہی سے یوں بھی کہہ دیتے ہیں ۔

پیش ایں الماس بے اسپر میا کز بریدن تیغ را نبود حیا(۲)

کہ ذرا سنبھل کر اس میدان میں قدم رکھنا ورنہ گردن ایمان کی خیر نہیں بھٹاسی (۳) الگ نہ جاپڑے غرض کسی کو کیا معلوم ہے کہ ان بیچاروں پر کیا گذرتی ہے دوسرے تو کفر کے فتوے لگانا ہی جانتے ہیں ان پر وہ حالت ہی نہیں گذری جو عشاق پر گذرتی ہے ۔

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند (۴)

اپنے کام میں لگو

پس جو شخص ان سب عقبات سے گذر جائے گا وہ یہی کہے گا کہ متقی کو صدور معصیت کے وقت بے حیا بنکر اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ''اے اللہ میرا گناہ معاف فرما'' کہنا چاہیئے اور دل سے نہ نکلے تو زبان ہی سے کہے اگر ساری عمر بھی دل حاضر نہ ہو تو تم برابر اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ''اے اللہ میرے گناہ معاف فرما'' کہتے رہو اور عدم حضور پر اصلا التفات نہ کرو بس قبض وبسط وشدت ولذت سب سے نظر قطع (۵) کرو اور ایک کام میں لگو وہ یہ کہ ان کی اطاعت وذکر جس طرح بھی ہو سکے کرتے رہو اور جس نے اس راستہ کو طے نہیں کیا جس کو یہ عقبات (۶) ہی پیش نہیں آئے وہ میری اس بات کی قدر نہیں جان سکتا وہ تو یوں ہی کہے گا کہ

(۱) ''یہی تو ہے جو بہت سوں کے دل لے گیا ہے اور خون پیا ہے اگر کسی میں اس کی نظر کی تاب ہے تو بسم اللہ اپنا شوق پورا کرلے'' (۲) ''اس تیغ آبدار یعنی مسائل دقیقہ کے روبرو بے سپر فہم نہ آنا چاہیئے کیونکہ تلوار کاٹنے سے نہیں شرماتی'' (۳) ایک ہی ضرب میں گردن تن سے جدا نہ ہوجائے (۴) ''تمہارے پاؤں میں تو کانٹا بھی نہیں لگا تم کو ان لوگوں کی حالت کی کیا خبر ہے جن کے سروں پر بلا ومصیبت کی تلوار چل رہی ہے'' (۵) کشادگی وتنگی مزہ وپریشانی سب سے نظر ہٹالو (۶) جو ان گھاٹیوں سے گذرا ہی نہیں۔

جب دل حاضر نہیں تو محض زبانی استغفار سے کیا نفع مگر میں اس کو کیونکر سمجھاؤں کہ اس میں کیا نفع ہے واللہ کرنے کے بعد نفع معلوم ہوگا سمجھانے سے سمجھ میں نہیں آسکتا۔

رونے کی اقسام

بس ان کو میں وہ ہی جواب دوں گا جو حضرت استاد نے درس حدیث میں ایک طالب علم کو دیا تھا۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اُبی بنِ کعبؓ صحابی سے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا مجھے حکم ہوا ہے کہ تم کو سورۂ لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سناؤں صحابی نے سوال کیا اَللّٰہُ سَمَّانِیْ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیکر ارشاد فرمایا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں اس پر صحابی رونے لگے تو وہ طالب علم کہتا ہے کہ یہ تو ہنسنے کی بات تھی نہ کہ رونے کی مولانا نے فرمایا جا بھدے (۱) واقعی ایسے عدیم الذوق کو کوئی کیا سمجھائے مولانا شاہ ابوالعالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ کی مجلس میں ایک منکر آیا دیکھا کہ سب اہلِ مجلس رو رہے ہیں کہنے لگا یہ سب محروم ہیں جبھی تو رو رہے ہیں۔

اس پر شاہ صاحب کو جوش آیا اور ایک رسالہ بنام ہفت گریہ لکھا جس میں ثابت کیا ہے کہ رونے کی سات قسمیں ہیں منکر کے تو باپ کو بھی یہ اقسام کبھی معلوم نہ ہوئی ہوں گی اور یاد تو ہم کو بھی نہیں رہیں تو اُس میں لکھا ہے کہ ایک رونا محرومی کا ہے اور ایک رونا خوشی کا ہے۔ کیونکہ کبھی غایت فرح سے بھی آنسو بہنے لگتے ہیں۔

(۱) بدعقل۔

جوش عشق کا رونا

اور ایک بکا(۱) دونوں سے عالی ہے جس کا نام گرم بازاریٔ عشق ہے پھر اس پر حضرت عارف کا یہ قطعہ لکھا عارف کے کلام میں مسائل سلوک بہت کثرت سے ہیں ؎

بلبلے برگ گلے خوشرنگ درمنقار داشت
واندراں برگ ونوا خوش نغمہائے زارداشت
گفتمش در عین وصل ایں نالہٗ وفریادت چیست
گفت مارا جلوہٗ معشوق در ایں کارداشت(۲)

غرض ایک رونا جوش عشق کا بھی ہوتا ہے جیسا وہ صحابی اس بات کو سن کر رونے لگے کہ حق تعالیٰ نے اُن کا نام لے کر فرمایا ہے کہ ان کو فلاں سورت سناؤ جس پر ایک بھدے نے کہا کہ یہ تو ہنسنے کی بات تھی ارے تم کیا جانو کہ اس سے عاشق کے کلیجے پر کیسا تیر چل گیا۔ عارفین کے دل پر جو گذرتی ہے اُس کو کوئی کیا جانے وہ تو اُن کو روتا ہوا دیکھ کر یہی سمجھتا ہے کہ ہائے بیچارے محروم ہیں خصوصاً چشتیہ کو دیکھ کر کیونکہ یہ تو ہمیشہ افروختن وسوختن (جلنا بھننا) ہی میں رہتے ہیں کیونکہ یہ چشتیہ ہونے کے ساتھ کشتیہ (قتل ہونا) بھی ہیں۔ جن کے نیچے بھی پانی ہے اور موجوں کی وجہ سے اوپر بھی پانی ہے۔ اس لئے ہر وقت روتے ہی رہتے ہیں یہ عین وصل میں بھی روتے ہیں اور ان کو عقبات بھی زیادہ پیش آتے ہیں بات یہ ہے کہ ان کو دولت بہت بڑی اور بہت زیادہ مل گئی ہے جو تحمل سے باہر ہے اور جس پر

(۱) یہ رونا دونوں سے بڑھ کر ہے۔ (۲) ''ایک بلبل ایک خوشرنگ پھول کی پتی چونچ میں رکھے ہوئے زاروقطار نالہ وفریاد کررہی تھی میں نے اُسے کہا کہ علین وصل میں نالہ وفریاد کیوں کررہی ہے جواب دیا کہ جلوۂ معشوق نے ہم کو اس کام میں مشغول کیا ہے۔

زیادہ بوجھ لادا جائیگا اس کا تو موت (۱) ہی نکلے گا اب چاہے کپڑے خراب ہوں یا کچھ بھی ہوں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا رجوع الی اللہ

(اس موقع پر پہنچ کر اذان عصر ہوگئی اور حضرت مولانا خاموش ہوگئے جب اذان ختم ہوئی تو دُعائے مسنونہ پڑھ کر فرمایا) کہ ایک نظیر ان عقبات کی جو سالک کو پیش آتے ہیں یہ ہے کہ جو ابھی مجھ پر گذری کہ اذان جو ہوئی اور مؤذن نے ٹھہر ٹھہر کر اذان دی تو دل میں یہ خطرہ آیا کہ جلدی جلدی اذان کیوں نہیں دیتا پھر معاً غیب سے متنبہ کیا گیا کہ یہ تو عبدیت کے خلاف ہوا کہ اذان میں تو ترسیل مسنون ہے اور تم اس کی ضد کو تجویز کرتے ہو تو میں نے فوراً اُس خطرہ سے توبہ کی کسی اور کو بھی اگر یہ وسوسہ ہوا ہو تو توبہ کرے اگر میں صرف شانِ اِنِ اتَّقٰی (اگر ڈرے) پر نظر رکھتا تو ہلاک ہوجاتا مگر ساتھ شان اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ (اہل ہے بخشش کا) پر نظر کرنے سے کام چل گیا اور جب ہمارے محبوب میں دونوں شانیں ہیں تو ہم صرف ایک ہی شان پر نظر کیوں منحصر کریں بلکہ دونوں پر نظر کرنا چاہیئے ؎

درد از یار است ودرماں نیز ہم ۔۔۔ دل فدائے اوشد وجاں نیز ہم (۲)

انچہ میگویند آں بہتر زحسن ۔۔۔ یار ما ایں واردو آں نیز ہم (۳)

بس ان عقبات میں شریعت کو امام بناؤ اور وحی پر نظر رکھو اور بے خطرہ چلے چلو عارف فرماتے ہیں ؎

(۱) پیشاب (۲) ’’درد محبوب کی طرف سے اور علاج بھی اس پر دل فدا ہے اور جان بھی‘‘ (۳) ’’اس کے حسن سے جو کچھ لوگ بیان کرتے وہ اس سے بہتر ہے ہمارا محبوب یہ رکھتا ہے اور وہ بھی‘‘۔

در راہ عشق وسوسہ اہرمن بسے ست ہشدار و گوش را بہ پیام سروش دار(۱)

احضار اور حضور کے معنی میں فرق

پیام سروش سے مراد وحی ہے۔ اسی واسطے بعض سالکین کو جو یہ خیال ہوتا ہے کہ ذکر وصلوٰۃ میں حضور نہیں ہوتا میں اُن سے کہہ دیتا ہوں کہ احضار مطلوب ہے حضور مطلوب نہیں(۲) اور یہ بات وحی نے ہم کو بتلائی ہے حدیث میں آیا ہے: (مَنْ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ مُقْبِلاً عَلَیْھِمَا بِقَلْبِہٖ لَا یَحْدَثُ فِیْھِمَا نَفْسَہٗ اَوْ نَحْوَہٗ) ''جو شخص دو رکعت پڑھے کہ ان دونوں پر اپنے دل سے متوجہ ہو اور اس کے دل میں کوئی وسوسہ نہ آئے''۔ اس پر ایک صاحب علم نے ایک علمی اعتراض کیا ہے وہ یہ کہ حضور مطاوع احضار(۳) ہے اور جب حضور منتفی ہے تو یہ دلیل ہے انتفاء احضار کی(۴) بھی اگر احضار ہوتا تو اُس کا مطاوع حضور بھی موجود ہوتا(۵)۔ میں نے کہا کہ آپ کو دھوکہ ہوا جس احضار کا حدیث میں امر ہے(۶) اُس کا مطاوع حضور بھی موجود ہے۔ منتفی حضور کامل ہے۔ جس کے انتفاء سے حضور مطلق کا انتفاع(۷) لازم نہیں آتا۔ اور ایسا احضار مامور بہ(۸) نہیں ہے جس کا مطاوع حضور کامل ہو بلکہ احضار مامور بہ صرف اسی قدر ہی ہے کہ یہ اپنی طرف سے دل کو افعال صلوٰۃ پر متوجہ رکھے(۹) اور از خود نفس سے باتیں نہ کرے اس احضار سے اس کے مناسب

(۱) ''طریق باطن نہیں شیطان کے وساوس اور خطرات ہیں اور ان سے بچنا چاہتے ہو تو ہوشیار رہو اور شریعت کا اتباع کرو'' (۲) دل کو حاضر رکھنا ضروری ہے اسکا ہر وقت حاضر رہنا ضروری نہیں (۳) حضور احضار کا ہمنوا ہے (۴) حضور نہیں ہوگا تو احضار بھی نہیں ہوگا (۵) اگر احضار ہوتا تو اس کا ہمنوا حضور بھی ہوتا (۶) حکم ہے (۷) کامل حضور نہ ہونے سے بالکل حضور کی نفی لازم نہیں آتی (۸) ایسے کامل حضور کا حکم نہیں دیا گیا (۹) ارکان نماز کی طرف متوجہ رکھے۔

حضور بھی ضرور پیدا ہوگا گو حضور کامل یعنی عدم خطور وساوس بالکلیہ نہ ہو اور اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کہ احضار کا ایسا درجہ مطلوب ہے جس کا مطاوع ایسا حضور ہو فَافْهَمْ ''خوب سمجھ لو''

سالک کا کام

بہرحال سالک کو جو حالت یا کیفیت پیش آئے اُس کو شریعت پر پیش کرکے دیکھئے کہ یہ شریعت کے موافق ہے یا نہیں پس متقی کو جو یہ حالت پیش آتی ہے کہ صدور معصیت کے وقت غلبۂ حیاء کی وجہ سے اس کی زبان استغفار پر نہیں چلتی یہ حالت خلاف شریعت ہے اس وقت شریعت کا حکم یہ ہے کہ استغفار کرنا چاہیئے اور حیاء کو بالائے طاق رکھ کر بے حیاء بن کر اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ''اے اللہ میرا گناہ معاف فرما'' کہنا چاہیئے اسی واسطے بعض عارفین نے تو یہ فرمادیا ہے کہ کیفیات کو بالکل الگ کرو کیسی حیا اور کیسا بسط ایک پر نظر کرو اگر سب کیفیات سلب ہوجائیں تب بھی پرواہ نہ کرو اور کام میں لگے رہو اور یوں کہو ؎

روز ہا گر رفت گورو باک نیست تو بماں اے آنکہ چوں تو پاک نیست (۱)

اور یا یوں کہو ؎

میل من سوئے وصال ومیل او سوئے فراق
ترکِ کام خود گرفتم تا بر آید کام دوست (۲)

(۱) ''ایام تلف ہونے پر حسرت نہ کرنا چاہیئے اگر گئے بلا سے عشق جو اصلی دولت ہے اور سب خرابیوں سے پاک وصاف ہے اس کا ہونا کافی ہے'' (۲) ''میرا میلان وصل کی طرف اس کا میلان ہجر کی طرف میں نے اپنی مراد کو ترک کردیا تاکہ محبوب کی مراد پوری ہوجائے''۔

اور

اُرِیْدُ وِصَالَہٗ وَیُرِیْدُ ھِجْرِیْ فَاَتْرُکُ مَا اُرِیْدُ لِمَا یُرِیْدُ (۱)

حصول ثمرات کا مقام

صاحبو! یہ کیفیات ثمرات ہیں اور ثمرات کا محل دارالجزاء ہے اور دارالجزاء آخرت ہے دنیا نہیں ہے پھر تم یہاں ثمرات کے طالب کیوں ہو تم سے یہ کس نے کہہ دیا کہ الا اللّٰہ الا اللّٰہ کرنے سے کچھ نظر آیا یا نہیں۔ ارے جو کچھ نظر آئے گا وہاں نظر آئیگا یہاں تو عمل مقصود ہے نظر آنا کیسا۔ بس اب چاہے مزہ ہو یا نہ ہو تم بلاخوف اللھم اغفرلی ''اے اللہ میرے گناہ معاف فرما'' کہے جاؤ اور ذکر و طاعت میں مشغول رہو۔

سلب کیفیات کی وجہ

اور اچھا ہم نے مانا کہ دنیا میں بھی بعض ثمرات حاصل ہوتے ہیں تو کیا محبوب کبھی تمہارا امتحان نہ کرے تو کبھی وہاں سے امتحان اسی طرح ہوتا ہے کہ کیفیات سلب کر لیتے ہیں تاکہ دیکھیں کہ تم ان کو چاہتے ہو یا کیفیات کو چاہتے ہو ﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ﴾ (العنکبوت) کیا تم صرف اٰمنا کہہ کر چھوٹنا چاہتے ہو کیا تمہاری آزمائش نہ کی جائے ضرور کی جائے گی۔ امنا (ہم ایمان لائے) کی تفسیر تو میں نہیں کرتا مگر قریب مطلب وہی ہے جو اَحْیَنَا(۲) کا ہے اور اَشَقَّنَا اس واسطے نہیں کہتا کہ یہ لفظ حدیث و قرآن میں وارد نہیں

(۱) ''میں محبوب کے وصال کا خواہاں ہوں وہ ہجر کے خواہاں۔ سو میں نے اپنی خواہش کو ان کی خواہش کی وجہ سے ترک کر دیا'' (۲) ویسانس لہ بقولہ تعالیٰ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ فلایمان یستبیع شدۃ الحب فقول القائل اٰمنا فی حکم قولہ حیینا۔

ہوا پس جب اُدھر سے کبھی آزمائش بھی ہوتی ہے تو اس کا مقتضا بھی یہی ہے کہ تم جی لگنے اور مزہ آنے پر نظر نہ کرو کرنے کا کام کرتے رہو یہ تھا مقصود بیان جس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ یہ مضمون کس قدر ضروری تھا۔

استغفار کا اہتمام

صاحبو! عدم استحضار شان مغفرت(۱) کا نتیجہ یہ ہے کہ متقی کو صدور معصیت(۲) کے وقت بعض دفعہ مایوسی تک نوبت پہنچ جاتی ہے پھر نماز وغیرہ کو بھی ترک کر دیتا ہے ابتداء میں تو غلبۂ حیا کی وجہ سے کئی کئی دن تک ذکر کو چھوڑے رکھتے ہیں پھر ترک صلوٰۃ تک نوبت پہنچتی ہے اور یہ ساری خرابی اس کی ہے کہ وہ ابتداء میں اس بات کے منتظر رہے کہ گناہوں سے پاک ہوجائیں تو حق تعالیٰ کی طرف چلنے کا ارادہ کریں اور وہ اس انتظار میں ہیں کہ یہ آئے تو اس کو پاک کروں اب یہ تو دور ہوا۔ صاحبو! دور کو چھوڑ دوڑ سے کام لو پھر تسلسل نعمائے الٰہی ہوجائے گا(۳) یہ تھا میرا مقصود جس کو یہ عقبات(۴) پیش آتے ہیں وہ ان کی قدر جانتا ہے۔ صاحبو! میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو صرف شانِ ان التقیٰ پر نظر کرتے اور شان مغفرۃ پر نظر نہ کرتے تھے جن کا انجام تعطل ہوگیا(۵)۔ بعض نے شان مغفرت پر نظر بھی کی اور ایک دو دفعہ صدور معصیت کے وقت طبیعت پر جبر کرکے توبہ واستغفار بھی کیا مگر جب بار بار معاصی کا صدور ہوا اور توبہ ٹوٹنے لگی تو اب انہوں نے استغفار کرنا چھوڑ دیا اور بالآخر ان کی نوبت بھی تعطل تک پہنچی ان کو یہ غلطی پیش آئی کہ بار بار توبہ شکست ہونے پر اُن کو یہ آیات یاد آئی: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا

(۱) اللہ کی شان مغفرت کا استحضار نہ ہونے کی وجہ سے (۲) گناہ سرزد ہونے پر (۳) تم پر مسلسل انعامات الٰہی ہونگے (۴) جس کو یہ مشکلات پیش آتی ہیں (۵) عمل کرنا چھوڑ دیا۔

ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلاً ﴾(۱) اور وہ حدیث ذہن میں آئی جو احیاء العلوم میں مذکور ہے جس کی عراقی نے تخریج کی ہے یہ تو یاد نہیں رہا کہ قوی ہے یا ضعیف لیکن موضوع نہیں ہے ''مَنِ اسْتَغْفِرَ وَهُوَ مُصِرٌّ عَلَى الذَّنْبِ كَانَ كَالْمُسْتَهْزِئِ بِرَبِّهٖ ''(۲) اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ تم چلے چلو تم کو ساری آیتیں دیکھنے کی اور محقق بننے کی کیا ضرورت ہے تم اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ الرَّحِيْمُ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے'' اور هُوَ اَهل التقوى واهل المغفرة ''وہی اہل ہے اس بات کا اس سے ڈرنا چاہیئے اور وہی اہل ہے بندوں کے گناہ بخشنے کے'' کو دیکھو جن میں تمہارا علاج ہے یہ تو اجمالی جواب ہے اور کام اسی سے چلے گا مریض کے لئے تفصیل مفید نہیں ہوتی۔

اشکال کا جواب

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا (پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے) اخیر حالت ہے جس کے معنی ہیں ثُمَّ دَامُوْا عَلَى الْكُفْرِ اور جس کی اخیر حالت توبہ ہو گو ہزار معصیت وکفر کے بعد ہو وہ آیت میں داخل ہی نہیں (پھر کفر پر دوام کیا) اور حدیث کا جواب یہ ہے کہ وہ وعید مصر کے لئے ہے واقعی جو شخص گناہ پر مصر ہو اس کا بحالت اصرار استغفار کرنا مثل استہزاء بالآیات کے ہے مگر پہلے یہ تو معلوم کرو کہ مصر کسے کہتے ہیں مصر وہ ہے جو گناہ کر کے گناہ پر نادم بھی نہ ہو

(۱) ''بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے اللہ ایسوں کو ہرگز نہ بخشیں گے اور نہ اُن کو راستہ دکھائیں گے'' سورۃ النساء: ۱۳۷ (۲) ''جو شخص گناہوں سے توبہ کرے اس حالت میں گناہوں پر اصرار کرنے والا ہو گئے گویا وہ اس شخص کی طرح ہے جو اپنے اللہ کے ساتھ دل لگی کر رہا ہو''۔

اورتم تو نادم ہو بلکہ اس درجہ نادم ہو کہ غلبۂ ندامت وحیا تمہاری زبان کو استغفار سے پکڑے لیتی ہے اور حدیث میں ہے مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَاِنْ عَادَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً (نہیں مصر وہ شخص جو استغفار کرے اگرچہ ٹوٹے دن میں ستر مرتبہ) اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے اَلنَّدَمُ تَوْبَۃٌ (ندامت توبہ ہے) پس جو شخص گناہ کر کے نادم وپشیمان ہو وہ حدیث احیاء العلوم کا مصداق نہیں پھر ان کو ایک شعر یاد آتا ہے جو نہ معلوم کس کا ہے میرے نزدیک تو یہ شعر خلاف تحقیقی ہے مگر جس شخص پر جو حالت وکیفیت غالب ہوتی ہے اس کو ایسی ہی باتیں سوجھتی ہیں جو اس کیفیت کو اور بڑھائے خواہ وہ حجت ہو یا نہ ہو بس اس کا وہ حال ہوتا ہے ؎

بسکہ درجانِ نگار وچشم بیدارم توئی ہرچہ پیدامی شوداز دور پندارم توئی (۱)

اس کو آیتیں اور حدیثیں اور اشعار سب ایسے ہی یاد آتے ہیں جن سے پریشانی بڑھے وہ شعر یہ ہے ؎

سبحہ برکف توبہ برلب دل پراز ذوقِ گناہ
معصیت راخندہ می آید براستغفار ما (۲)

اس کا جواب یہ ہے کہ اشعار حجت نہیں ہیں دوسرے تمہارا دل ذوق گناہ سے کہاں پر ہے بلکہ ذوق حیاؤ ندامت سے پر ہے یہ تو اُن دلائل کا جواب تھا جن سے ان لوگوں کو دھوکہ ہوا تھا۔

---

(۱) ''میری جان نگار اور چشم بیدار میں تو ہی بسا ہوا ہے جو کچھ دور سے ظاہر ہوتا ہے تجھ ہی کو گمان کرتا ہوں'' (۲) ''ہاتھ میں تسبیح لب پر توبہ دل ذوق گناہ سے لبریز ہے۔ ہماری معصیت کو بھی ہمارے استغفار پر ہنسی آتی ہے''۔

اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو

اب ہم ان کے مقابل دوسری آیتیں اور احادیث واشعار سناتے ہیں آیت تو یہ ہے ﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾(۱) اس کی ایک تفسیر آج ہی ذہن میں آئی ہے وہ یہ کہ جو لوگ نیک کام کرتے ہیں پھر ان سے گناہ ہوجاتا ہے پھر وہ تقویٰ اختیار کرتے ہیں پھر گناہ ہوجاتا ہے پھر تقویٰ وایمان کے مقتضا پر عمل شروع کرتے ہیں پھر انکا انجام احسان پر ہوا کہ آخر نیک کام کرنے لگے تو وہ محبوب ہوجائیں گے اور دوسری آیت میں ہے ﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾(۲) اس میں اُن لوگوں کو مایوسی سے روکا گیا ہے جو اپنے گذشتہ معاصی پر نادم تھے(۳) اور حدیث یہ ہے: مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَاِنْ عَادَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً (۴) تم تو عمر بھر میں ستر دفعہ گناہ ہونے سے اور توبہ کے ٹوٹنے سے اپنے کو مصر سمجھنے لگے اور حدیث یہ بتلاتی ہے کہ

---

(۲) ''ایسے لوگوں پر جو ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں جبکہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں اللہ تعالیٰ ایسے نیک وکاروں سے محبت رکھتے ہیں'' (المائدۃ:۹۳) (۲) ''آپ کہہ دیجئے اے میرے بندوں جنہوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے نا اُمید مت ہو بے شک وہ تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا واقعی وہ بخشنے والا مہربان ہے'' (الزمر:۵۳) (۳) گذشتہ گناہوں پر شرمندہ تھے (۴) ''جو شخص استغفار کرتا ہو اگرچہ دن میں ستر مرتبہ ٹوٹے مصر نہیں''۔

اگر ایک دن میں بھی ستر بار توبہ ٹوٹے اور ہر دفعہ میں توبہ کرتا رہے تو وہ مصر نہیں(۱) اور شعر یہ ہے ؎

باز آ باز آ ہر انچہ ہستی باز آ گر کافرو گبروبت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست صد بار اگر تو بہ شکستی باز آ(۲)

تم ان آیات واحادیث وغیرہ کو پیش نظر کر کے استغفار کی کثرت میں لگو۔

ازالہ شبہ

اس تقریر سے یہ شبہ بھی رفع ہوگیا جو بعض لوگوں کو اس حدیث قدسی پر پیدا ہوا ہوگا جو هُوَ اَهْلُ التَّقْوىٰ وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ (وہی اہل ہے اس بات کا کہ اس سے ڈرنا چاہیئے اور وہی اہل ہے بندوں کے گناہ بخشنے کا) کی تفسیر اوپر بیان کی گئی ہے یعنی اَنَا اَهْلُ اَنْ اتُّقٰى وَمَنِ اتَّقٰى فَاَنَ اَهْلُ اَن اُغْفِرَ لَهٗ (میں اہل ہوں اس بات کا کہ مجھ سے ڈرا جائے اور جو شخص ڈریگا پس میں اہل ہوں اس بات کا کہ اس کے گناہ بخش دوں) شبہ کا حاصل یہ ہے کہ اس میں شان مغفرت کے ظہور کو تقوی پر مرتب کیا گیا ہے اور ہمارا تقویٰ تو شکست (۳) ہوگیا اب ہم ظہور شان مغفرت کے اہل کہاں رہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ ایک تقویٰ شکست ہوگیا یعنی تقویٰ سابق تو دوسرا تقویٰ تو موجود ہے یعنی توبہ واستغفار تم اس کو اختیار کرو پھر اهل المغفرة کے محل بن جاؤ گے بس یوں ہی سلسلہ چلتا

(۱) گناہ پر اصرار کرنے والا نہیں (۲) ''لوٹ تو لوٹ تو جو کچھ بھی تو ہی لوٹ اگر کافر وآتش پرست اور بت پرست ہے تو بھی ہماری طرف لوٹ یہ ہمارا اور بارنا اُمیدی کا دربار نہیں ہے اگر سو بار توبہ تو نے توڑی ہے تو بھی ہماری طرف رجوع کر'' (۳) صدور گناہ کی وجہ سے ہمارا تقویٰ تو ٹوٹ گیا۔

رہے گا کہ ایک تقویٰ شکست (۱) ہو اور دوسرا موجود ہو گیا حدیث میں یہ کہاں کہا گیا ہے کہ قیامت تک ایک ہی تقویٰ چلایا جائے تب مغفرت ہوگی۔

سبقت رحمتی کا مظہر

اب میں آخر میں ایک اور بات کہتا ہوں جس کے متعلق کبھی جی میں آتا ہے کہوں کبھی جی میں آتا ہے نہ کہوں مگر جب زبان پر آ ہی گئی تو کہے دیتا ہوں اللہ تعالیٰ سامعین کو غلط فہمی سے محفوظ رکھیں مگر اردو میں نہ کہوں گا بلکہ عربی میں کہوں گا تا کہ اہل علم سمجھیں عوام نہ سمجھیں وہ یہ کہ حدیث میں اہل معاصی کی نسبت آیا ہے: (لَوْلَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِكُمْ وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُوْنَ فَيَسْتَغْفِرُوْنَ وَيَغْفِرُلَهُمْ)(۲) بھلا اہل طاعات کی نسبت بھی کہیں یہ آیا ہے کہ اگر وہ نہ رہیں تو اُن کی جگہ دوسری مخلوق پیدا کی جائیگی ہاں یہ تو وارد ہے کہ اگر اہل طاعات عالم میں بالکل نہ رہیں اور طاعت بالکل دنیا سے گم ہو جائے جیسا کہ آخر زمانہ میں ہوگا تو عالم کو فنا اور ہلاک کر دیا جائے گا مگر طاعت کے لئے دوسری مخلوق پیدا کئے جانے کا حدیث میں کہیں ذکر نہیں اور معصیت کے لئے دوسری مخلوق کا پیدا کیا جانا حدیث اول میں مصرح ہے اس سے معلوم ہوا کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ ''میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی'' کا اصل مظہر معصیت ہی ہے مگر وہی معصیت جس کے ساتھ استغفار وتوبہ (۳) بھی ہو بس اس سے زیادہ میں کھولنا نہیں چاہتا اور اتنا بھی اُس شخص کے لئے کہہ دیا ہے جو حد مایوسی تک پہنچ گیا ہو کہ اس کے لئے مسکنات

(۱) ایک تقویٰ ٹوٹا دوسرا موجود (۲) ''اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تمہاری بجائے اور ایسی قوم کو پیدا کرتے جو گناہ کرتے اور گناہوں سے استغفار کرتے اور اللہ تعالیٰ اُن کے گناہوں کو بخشتا'' (۳) وہی گناہ جس کے بعد توبہ استغفار بھی ہو۔

قویہ کی ضرورت ہے اور ہم جیسے ہٹوں کٹوں کو جو ہر دم شرارت پر کمربستہ ہیں اس سے کام لینا جائز نہیں۔ کریم کے دسترخوان پر ہر قسم کے کھانے ہوتے ہیں حلوے بھی پلاؤ بھی سرکہ کی چٹنی بھی مگر ہر شخص کو ہر چیز کا کھانا جائز نہیں۔

زکام والے کو چٹنی کھانا ممنوع ہے ایسے ہی دسترخوان نبوی ﷺ پر ہر قسم کے اطعمہ ہیں (۱) مگر سب کے لئے ہر طعام نہیں ہے اور نہ ہر شخص چٹنی کا اہل ہے بس مہتمم دسترخوان سے پوچھو اور کھاؤ۔ اب میں ختم کرتا ہوں اللہ ہم سب کو فہم سلیم عطا فرمائے آمین۔

وصَلَی اللّٰہِ عَلٰی سَیِّدِنَا النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (۲)

---

(۱) ہر قسم کے کھانے (۲) اللہ تعالیٰ تمام پڑھنے والوں کو ان مضامین کے سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خلیل احمد تھانوی

۲۰۱۷/۲/۱۱

فکرِ دُنیا تجھ کو صبح و شام ہے
اس سے غفلت ہے جو اصلی کام ہے

کچھ دنوں سہہ لے مشقت دین کی
پھر تو بس آرام ہی آرام ہے

مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

❁❁❁

کامیابی تو کام سے ہوگی
نہ کہ حُسنِ کلام سے ہوگی

فِکر اور اہتمام سے ہوگی
ذکر کے التزام سے ہوگی

مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

❁❁❁

ظاہر و باطن کا ہر چھوٹا گناہ
اِس سے بچ رہرو کہ ہے وہ سدِّ راہ

لب پہ ہر دم ذکر بھی ہو دل میں ہر دم فِکر بھی
پھر تو بس بالکل راستہ ہے صاف تا درِ بادشاہ

مجذوب رحمۃ اللہ علیہ